

تَقْرِيرُ الْوَلَدَ

سُورَةُ طَهُ

QuranUrdu.com

٢٠

سید ابوالاعلم مودودی

فہرست

| | | |
|-----|---------------|--------|
| 3 | زمانہ نزول: | رکو ۱۶ |
| 4 | موضوع و مبحث: | رکو ۲۶ |
| 8 | | رکو ۱۶ |
| 17 | | رکو ۲۶ |
| 31 | | رکو ۳۶ |
| 46 | | رکو ۴۶ |
| 62 | | رکو ۵۶ |
| 76 | | رکو ۶۶ |
| 88 | | رکو ۷۶ |
| 101 | | رکو ۸۶ |

زمانہ نزول:

اس سورۃ کا زمانہ نزول سورہ مریم کے زمانے قریاب ہی کا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھرت جبشہ کے زمانے میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو۔ بہر حال یہ امر یقین ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے پہلے یہ نازل ہو چکی تھی۔

ان کے قبول اسلام کی سب سے زیادہ مشہور اور معتبر روایت یہ ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے نکلے تو راستہ میں ایک شخص نے ان سے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری اپنی بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سید ہے بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کے بہنوئی سعید بن زید بیٹھے ہوئے حضرت خباب بن ارت سے ایک صحیفے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے آتے ہی ان کی بہن نے صحیفہ فوراً چھپا لیا۔ مگر حضرت عمرؓ اس کے پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے پہلے کچھ پوچھ چکھ کی۔ اس کے بعد بہنوئی پر پل پڑے اور مارنا شروع کر دیا۔ بہن نے بچانا چاہا تو انہیں بھی مارا یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ آخر کار بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہاں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، تم سے جو کچھ ہو سکے کرو۔ حضرت عمرؓ اپنی بہن کا خون بہتے دیکھ کر کچھ پشیمان سے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ بہن نے پہلے قسم لی کہ وہ اسے پھاڑ نہ دیں گے۔ پھر کہا کہ تم جب تک غسل نہ کرو، اس پاک صحیفے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور پھر وہ صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں یہی سورہ طا لکھی ہوئی تھی۔ پڑھتے پڑھتے یک لخت ان کی زبان سے نکلا ”کیا خوب کلام ہے“۔ یہ سنتے ہیں حضرت خباب بن ارت، جوان کی آہٹ پاتے ہی چھپ گئے تھے، باہر آگئے اور کہا کہ ”بخدا، مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے نبی کی دعوت پھیلانے میں بڑی خدمت لے گا، کل ہی میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنائے کہ خدا یا، ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن

خطاب دونوں میں سے کسی کو اسلام کا حامی بنادے۔ پس اے عمر، اللہ کی طرف چلو، اللہ کی طرف چلو۔“۔ اس فقرے نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور اسی وقت حضرت خبائث کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کر لیا۔ یہ هجرت جبشہ سے تھوڑی مدت بعد ہی کا قصہ ہے۔

موضوع و مبحث:

سورہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ قرآن تم پر کچھ اس لیے نازل نہیں کیا گیا ہے کہ خواہ مخواہ بیٹھائے تم کو ایک مصیبت میں ڈال دیا جائے۔ تم سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ پتھر کی چٹانوں سے دودھ کی نہر نکالو، نہ ماننے والوں کو منوا کر چھوڑو، اور ہٹ دھرم لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر کے دکھاؤ۔ یہ تو بس ایک نصیحت اور یاد دہانی ہے تاکہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جو اس کی پکڑ سے بچنا چاہے وہ سن کر سیدھا ہو جائے۔ یہ مالک زمین و آسمان کا کلام ہے۔ اور خدائی اس کے سوا کسی کی نہیں ہے، یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ اٹلیں، خواہ کوئی مانے یانہ مانے۔

اس تمهید کے بعد یا کی حضرت موسیٰؑ کا قصہ چھیر دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ محض ایک قصے کی شکل میں بیان ہوا ہے۔ وقت کے حالات کی طرف اس میں کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ مگر جس ماحول میں یہ قصہ سنایا گیا ہے، اس کے حالات سے مل جل کر یہ اہل مکہ سے کچھ اور باتیں کرتا نظر آتا ہے جو اس کے الفاظ سے نہیں بلکہ اس کے بین السطور سے ادا ہو رہی ہیں۔ ان باتوں کی تشریح سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لجئے کہ عرب میں کثیر التعداد یہودیوں کی موجودگی اور اہل عرب پر یہودیوں کے علمی و ذہنی تفوق کی وجہ سے، نیز روم اور جیش کی عیسائی سلطنتوں کے اثر سے بھی، عربوں میں بالعموم حضرت موسیٰؑ کو خدا کا نبی تسلیم کیا جاتا تھا۔

اس حقیقت کو نظر میں رکھنے کے بعد اب دیکھیے کہ وہ باتیں کیا ہیں جو اس قصے کے میں السطور سے اہل مکہ کو جتنا گئی ہیں:-

(1) اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت اس طرح عطا نہیں کیا کرتا کہ ڈھول تاشے اور نفیر یاں بجا کر ایک خلق اکٹھی کر لی جائے اور پھر باقاعدہ ایک تقریب کی صورت میں یہ اعلان کیا جائے کہ آج سے فلاں شخص کو ہم نے نبی مقرر کیا ہے۔ نبوت تو جس کو بھی دی گئی ہے، کچھ اسی طرح بصیرت رازدی گئی ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھی۔ اب تمہیں کیوں اس بات پر اچنچھا ہے کہ محمد ﷺ یا کیا یک نبی بن کر تمہارے سامنے آگئے اور اس کا اعلان نہ آسمان سے ہوانہ زمین پر فرشتوں نے چل پھر کر اس کو ڈھول پیٹا۔ ایسے اعلانات پہلے نبیوں کے تقریر پر کب ہوئے تھے کہ آج ہوتے؟

(2) جو بات آج محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں (یعنی توحید اور آخرت) ٹھیک وہی بات منصب نبوت پر مقرر کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو سکھائی تھی۔

(3) پھر جس طرح آج محمد ﷺ کو بغیر کسی سرو سامان اور لاو لشکر کے تن تھا قریش کے مقابلے میں دعوت حق کا علم بردار بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح موسیٰؑ بھی یا کیا اتنے بڑے کام پر مامور کر دیے گئے تھے کہ جا کر فرعون جیسے جبار بادشاہ کو سرکشی سے باز آنے کی تلقین کریں۔ کوئی لشکر ان کے ساتھ بھی نہیں بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے ایسے ہی عجیب ہیں۔ وہ مدین سے مصر جانے والے ایک مسافر کو راہ چلتے پکڑ کر بلا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ جا اور وقت کے سب سے بڑے جابر حکمران سے ٹکرا جا۔ بہت کیا تو اس کی درخواست پر اس کے بھائی کو مدد گار کے طور پر دے دیا۔ کوئی فوج فرما اور ہاتھی گھوڑے اس کا رعظیم کے لیے اس کو نہیں دیئے گئے۔

(4) جو اعتراضات اور شبہات اور ازامات اور مکروہ ظلم کے ہتھکنڈے اہل کہ آج محمد ﷺ کے مقابلے میں استعمال کر رہے ہیں ان سے بڑھ چڑھ کر وہی سب ہتھیار فرعون نے موسیٰؑ کے مقابلے میں استعمال کیے تھے۔ پھر دیکھ لو کہ کس طرح وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہوا اور آخر کا کون غالب آ کر رہا؟ خدا کا بے سروسامان نبی؟ یا لاو لشکر والا فرعون؟ اس سلسلہ میں خود مسلمانوں کو بھی ایک غیر ملفوظ تسلی دی گئی ہے کہ اپنی بے سروسامانی اور کفار قریش کے سروسامان پر نہ جائیں، جس کام کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہوتا ہے وہ آخر کا غالب ہی ہو کر رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے ساحر ان مصر کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ جب حق ان پر منکشف ہو گیا تو وہ بے دھڑک اس پر ایمان لے آئے اور پھر فرعون کے انتقام کا خوف انہیں بال برابر بھی ایمان کی راہ سے نہ ہٹا سکا۔

(5) آخر میں بنی اسرائیل کی تاریخ سے ایک شہادت پیش کرتے ہوئے یہ بھی بتایا گیا کہ دیوتاؤں اور معبدوں کے گھرے جانے کی ابتداء کس مضجعہ انگیز طریقے سے ہوا کرتی ہے اور یہ کہ خدا کے نبی اس گھناوٹی چیز کا نام و نشان تک باقی رہنے کے کبھی روادار نہیں ہوئے ہیں۔ پس آج اس شرک اور بہت پرستی کی جو مخالفت محمد ﷺ کر رہے ہیں وہ نبوت کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔

اس طرح قصہ موسیٰؑ کے پیرائے میں ان تمام معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اس وقت ان کی اور نبی ﷺ کی باہمی کشمکش سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد ایک مختصر وعظ کیا گیا ہے کہ بہر حال یہ قرآن ایک نصیحت اور یاد دہانی ہے جو تمہاری اپنی زبان میں تم کو سمجھانے کے لیے بھی گئی ہے۔ اس پر کان دھرو گے اور اس سے سبق لو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے۔ نہ مانو گے تو خود بر انجام دیکھو گے۔

پھر آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جس روشن پر تم لوگ جاری ہے ہو یہ دراصل شیطان کی پیروی ہے۔ آجیاناً شیطان کے بہکائے میں آجاناً تو خیر ایک وقت کمزوری ہے جس سے انسان بمشکل

ہی نجح سکتا ہے۔ مگر آدمی کے لیے صحیح طریق کا ریہ ہے کہ جب اس پر اس کی غلطی واضح کر دی جائے تو وہ اپنے باپ آدم کی طرح صاف صاف اس کا اعتراض کر لے، توبہ کرے، اور پھر خدا کی بندگی کی طرف پلٹ آئے۔ غلطی اور اس پر ہٹ اور نصیحت پر نصیحت کیے جانے پر بھی اس سے باز نہ آنا، اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے جس کا نقصان آدمی کو خود ہی بھگتنا پڑے گا، کسی دوسرے کا کچھ نہ بگڑے گا۔

آخر میں نبی ﷺ اور مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ان منکرین حق کے معاملے میں جلدی اور بے صبری نہ کرو۔ خدا کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ کسی قوم کو اس کے کفر انکار پر فوراً نہیں کپڑ لیتا بلکہ سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتا ہے۔ لہذا کھبر اؤ نہیں۔ صبر کے ساتھ ان لوگوں کی زیادتیاں برداشت کرتے چلے جاؤ۔ اور نصیحت کا حق ادا کرتے رہو۔

اسی سلسلے میں نماز کی تاکید کی گئی ہے تاکہ اہل ایمان میں صبر، تحمل، قناعت، رضا بمقضا اور احتساب کی وہ صفات پیدا ہوں جو دعوت حق کی خدمت کے لیے مطلوب ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رُكْوَاد

طَهٌ ﴿١﴾ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ﴿٢﴾ إِلَّا تَذَكَّرَةٌ لِّمَنْ يَخْشَىٰ ﴿٣﴾ تَنْزِيلًا مِّنْ خَلْقِ الْأَرْضِ وَ
السَّمَاوَاتِ الْعُلَىٰ ﴿٤﴾ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوْىٰ ﴿٥﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ التَّرَازِ ﴿٦﴾ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ ﴿٧﴾ أَللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ
الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿٨﴾ وَهَلْ أَتَكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿٩﴾ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي أَنْسَتُ
نَارًا الْعَلِيَّ أَتَيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبْسٍ أَوْ أَجْدُعُ عَلَى النَّارِ هُدًىٰ ﴿١٠﴾ فَلَمَّا أَتَشَهَّدَنَا نُودِيَ يَمْوُسِىٰ ﴿١١﴾ إِنِّي
أَنَا رَبُّكَ فَأَخْلُعُ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِإِنْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوَىٰ ﴿١٢﴾ وَأَنَا أَخْتَرُكَ فَأَسْتَعِمُ لِمَا يُؤْخَذُ
إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُنِيٰ ﴿١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيٰ ﴿١٤﴾ لَآنَ السَّاعَةَ أُتَيْتُهُ أَكَادُ أُخْفِيَهَا
لِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَأَتَبَعَهُ فَتَرَدَىٰ ﴿١٦﴾ وَ
مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمْوُسِىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَمَىٰ أَتَوْكُؤُ عَلَيْهَا وَأَهْشُ بِهَا عَلَى غَنَمِيٰ وَلِي فِيهَا
مَأْرِبٌ أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَقْهَاهَا يَمْوُسِىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخْفُ
سَنْعِيْدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْسُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءِ أَيَّةٍ
أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ أَيْتَنَا الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾ إِذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ

اللہ کے نام سے جور حمل و رحیم ہے۔

لطاء، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے۔ **۱** نازل کیا گیا اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ رحمٰن ﷺ کائنات کے تختِ سلطنت پر جلوہ فرمائے۔ **۲** مالک ہے اُن سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جوز میں و آسمان کے درمیان ہیں اور جو مٹی کے نیچے ہیں۔ تم چاہے اپنی بات پکار کر کہو، وہ تو چُکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی بات بھی جانتا ہے۔ **۳** وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ **۴**

اور تمہیں کچھ موسیٰؑ کی خبر بھی پہنچی ہے؟ جب کہ اُس نے ایک آگ دیکھی **۵** اور اپنے گھروالوں سے کہا کہ ”ذرائعہ ہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤ، یا اس آگ پر مجھے ﷺ راستے کے متعلق کوئی رہنمائی مل جائے۔ **۶**“

وہاں پہنچا تو پکارا گیا ”اے موسیٰؑ، میں ہی تیر ارب ہوں، جُوتیاں اُتار دے۔ **۷**“ تُو وادی مقدس ظوئی میں ہے۔ **۸** اور میں نے تُجھ کو جُن لیا ہے، سُن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ **۹** قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اُس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر متفسس اپنی سعی کے مطابق بدله پائے۔ **۱۰** پس کوئی ایسا شخص

جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھٹری کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔۔۔ اور اے موسیٰ، یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ **11**

موسیٰ نے جواب دیا ”یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پੱਥ جھاڑتا ہوں، اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں۔ **12**

فرمایا ”پھینک دے اس کو موسیٰ۔“

اس نے پھینک دیا اور یکاًیک وہ ایک سانپ تھی جو دوڑ رہا تھا۔

فرمایا ”پکڑ لے اس کو اور ڈر نہیں، ہم اسے پھرویسا ہی کر دیں گے جیسی یہ تھی۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ **13** یہ دوسری نشانی ہے۔ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔ اب تو فرعون کے پاس جا، وہ سرکش ہو گیا ہے۔“ **۱۴**

سورة طہ حاشیہ نمبر: 1 ▲

یہ فقرہ پہلے فقرے کے مفہوم پر خود روشنی ڈالتا ہے۔ دونوں کو ملا کر پڑھنے سے صاف مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کو نازل کر کے ہم کوئی آنہ ہونا کام تم سے نہیں لینا چاہتے۔ تمہارے سپردیہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جو لوگ نہیں ماننا چاہتے ان کو منوا کر چھوڑو اور جن کے دل ایمان کے لیے بند ہو چکے ہیں ان کے اندر ایمان اتنا کر رہو۔ یہ تو بس ایک تذکیرہ اور یاد دہانی ہے اور اس لیے بھی گئی ہے کہ جس کے دل میں خدا کا کچھ خوف ہو وہ اسے سن کر ہوش میں آجائے۔ اب اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں خدا کا کچھ خوف نہیں، اور جنہیں اس کی کچھ پروا نہیں کہ حق کیا ہے، اور باطل کیا، ان کے پیچے پڑنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 2 ▲

یعنی پیدا کرنے کے بعد کہیں جا کر سو نہیں گیا ہے بلکہ آپ اپنے کارخانہ تخلیق کا سارا انتظام چلا رہا ہے، خود اس ناپیدا کنار سلطنت پر فرمازروائی کر رہا ہے، خالق ہی نہیں ہے بالفعل حکمراء بھی ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 3 ▲

یعنی کچھ ضروری نہیں ہے کہ جو ظلم و ستم تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہو رہا ہے اور جن شرارتؤں اور خباشوں سے تمہیں نیچا دکھانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں ان پر تم بآواز بلند ہی فریاد کرو۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ وہ تمہارے دلوں کی پکارتک سن رہا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 4 ▲

یعنی وہ بہترین صفات کا مالک ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 5 ▲

یہ اس وقت کا قصہ ہے جب حضرت موسیٰؑ چند سال مدین میں جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے بعد اپنی بیوی کو (جن سے مدین ہی میں شادی ہوئی تھی) لے کر مصر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ اس سے پہلے کی سرگزشت سورہ قصص میں بیان ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں ایک مصری ہلاک ہو گیا تھا اور اس پر انہیں اپنی گرفتاری کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا تو وہ مصر سے بھاگ کر مدین میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 6 ▲

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ رات کا وقت اور جاڑے کا زمانہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ جزیرہ نماۓ سینا کے جنوبی علاقے سے گزر رہے تھے۔ دور سے ایک آگ دیکھ کر انہوں نے خیال کیا یا تو وہاں سے تھوڑی سی آگ مل جائے گی تاکہ بال بچوں کو رات بھر گرم رکھنے کا بندوبست ہو جائے، یا کم از کم وہاں سے یہ پتہ چل جائے گا کہ آگے راستہ کدھر ہے۔ خیال کیا تھا دنیا کا راستہ ملنے کا، اور وہاں مل گیا عقبی کا راستہ۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 7 ▲

غالباً اسی واقعہ کی وجہ سے یہودیوں میں یہ شرعی مسئلہ بن گیا کہ جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے فرمایا **خالفو الْبَهُودِ فَإِنَّهُمْ لَا يَصِلُونَ فِي فَعَالِهِمْ وَلَا خَفَافِهِمْ** یہودیوں کے خلاف عمل کرو۔ کیونکہ وہ جوتے اور چھڑے کے موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے" (ابو داؤد)۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضرور جوتے ہی پہن کر نماز پڑھنی چاہیے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اس لیے دونوں طرح عمل کرو۔ ابو داؤد میں عمر و بن عاص کی روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دونوں طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ مسند احمد اور ابو داؤد میں ابو سعید خدراً رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد آئے توجوٹے کو پلٹ کر دیکھ لے۔ اگر کوئی

گندگی لگی ہو تو زمین سے رگڑ کر صاف کر لے اور انہی جو توں کو پہنے ہوئے نماز پڑھ لے "ابو ہریرہ کی روایت میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ ہیں "اگر تم میں سے کسی نے اپنے جوتے سے گندگی کو پامال کیا ہو تو مٹی اس کو پاک کر دینے کے لیے کافی ہے"۔ اور حضرت امِ سلمہؓ کی روایت میں ہے بظہرہ مابعدہ یعنی "ایک جگہ گندگی لگی ہوگی تو دوسری جگہ جاتے جاتے خود زمین ہی اس کو پاک کر دے گی"۔ ان کثیر التعداد روایات کی بنا پر امام ابوحنیفہؓ، امام ابو یوسفؓ، امام اوزاعیؓ اور اسحاق بن راحویہؓ وغیرہ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ جو تاہر حال میں زمین کی مٹی سے پاک ہو جاتا ہے۔ ایک ایک قول امام احمدؓ اور امام شافعیؓ کا بھی اس کی تائید میں ہے۔ مگر امام شافعیؓ کا مشہور قول اس کے خلاف ہے۔ غالباً وہ جو تا پہن کر نماز پڑھنے کو ادب کے خلاف سمجھ کر منع کرتے ہیں، اگرچہ سمجھا یہی گیا ہے کہ ان کے نزدیک جو تا مٹی پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا۔ (اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسجد نبوی میں چٹائی تک کافرش نہ تھا، بلکہ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔ لہذا ان احادیث سے استدلال کر کے اگر کوئی شخص آج کی مسجدوں کے فرش پر جوتے لے جانا چاہے تو یہ صحیح نہ ہو گا۔ البتہ گھاس پر یا کھلے میدان میں جوتے پہنے پہنے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو میدان میں نماز جنازہ پڑھتے وقت بھی جوتے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں، وہ دراصل احکام سے ناواقف ہیں)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 8 ▲

عام خیال یہ ہے کہ "طویؑ" اس وادی کا نام تھا۔ مگر بعض مفسرین نے "وادی مقدس طویؑ" کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ "وہ وادی جو ایک ساعت کے لیے مقدس کر دی گئی ہے"۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 9 ▲

یہاں نماز کی اصلی غرض پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آدمی خدا سے غافل نہ ہو جائے، دنیا کے دھوکا دینے والے مظاہر اس کو اس حقیقت سے بے فکر نہ کر دیں کہ میں کسی کا بندہ ہوں، آزاد خود مختار نہیں ہوں۔ اس فکر کو

تازہ رکھنے اور خدا سے آدمی کا تعلق جوڑے رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے جو ہر روز کئی بار آدمی کو دنیا کے ہنگاموں سے ہٹا کر خدا کی طرف لے جاتی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بھی لیا ہے کہ نماز قائم کرتا کہ میں تجھے یاد کروں، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا **فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ** "مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔

ضمیراً اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جس شخص کو بھول لاحق ہو جائے اسے جب بھی یاد آئے نماز ادا کر لینی چاہیے۔ حدیث میں حضرت آنسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلِيَصَلِّهَا إِذَا ذَكِرَهَا لَا كَفَارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكُ** جو شخص کسی وقت کی نماز بھول گیا ہوا سے چاہیے کہ

جب یاد آئے ادا کر لے، اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے" (بخاری، مسلم، احمد)۔ اسی معنی میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے جسے مسلم، ابو داؤد اورنسائی وغیرہ نے لیا ہے۔ اور ابو قتادہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا اگر ہم نماز کے وقت سو گئے ہوں تو کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نیند میں کچھ قصور نہیں، قصور تو جانے کی حالت میں ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص بھول جائے یا سو جائے تو جب بیدار ہو یا جب یاد آئے، نماز پڑھ لے" (ترمذی، نسائی، ابو داؤد)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 10 ▲

توحید کے بعد دوسری حقیقت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام پر منکشf کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے، آخرت ہے۔ یہاں نہ صرف اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ساعتِ منتظرہ اس لیے آئے گی کہ ہر شخص نے دنیا میں جو سعی کی ہے اس کا بدلہ آخرت میں پائے۔ اور اس کے وقت کو مخفی بھی اس لیے رکھا گیا ہے کہ آزمائش کا مدد عاپر اہو سکے۔ جسے

عاقبت کی کچھ فکر ہو اس کو ہر وقت اس گھٹری کا کھٹکا لگا رہے اور یہ کھٹکا اسے بے راہ روی سے بچاتا رہے۔ اور جو دنیا میں گم رہنا چاہتا ہے وہ اس خیال میں مگن رہے کہ قیامت ابھی کہیں دور دور بھی آتی نظر نہیں آتی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 11 ▲

یہ سوال طلب علم کے لیے نہ تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم تھا کہ موسیٰ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ پوچھنے سے مقصود یہ تھا کہ لاٹھی کا لاٹھی ہونا حضرت موسیٰ کے ذہن میں اچھی طرح مستحضر ہو جائے اور پھر وہ اللہ کی قدرت کا کر شمہ دیکھیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 12 ▲

اگرچہ جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حضور، یہ لاٹھی ہے، مگر حضرت موسیٰ نے اس سوال کا جو لمبا جواب دیا وہ ان کی اس وقت کی قلبی کیفیت کا ایک دلچسپ نقشہ پیش کرتا ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ جب آدمی کو کسی بہت بڑی شخصیت سے بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ اپنی بات کو طول دینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ دیر تک اس کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل رہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 13 ▲

یعنی روشن ایسا ہو گا جیسے سورج ہو، مگر تمہیں اس سے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ بائبل میں یہ بیضاء کی ایک اور ہی تعبیر کی گئی ہے جو وہاں سے نکل کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی روانج پا گئی۔ وہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے جب بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکلا تو پورا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید تھا، پھر جب دوبارہ اسے بغل میں رکھا تو وہ اصلی حالت پر آگیا۔ یہی تعبیر اس معجزے کی تلمود میں بھی بیان کی گئی ہے اور اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ فرعون کو برص کی بیماری تھی جسے وہ چھپائے ہوئے تھا۔ اس لیے اس کے سامنے یہ معجزہ پیش کیا گیا کہ دیکھ یوں آناؤ نا برص کا مرض پیدا بھی ہوتا ہے اور کافور بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اول تذوق سلیم اس سے ابا کرتا ہے کہ کسی نبی کو برص کا معجزہ دے کر ایک بادشاہ کے دربار میں بھیجا جائے۔ دوسرے اگر

فرعون کو مخفی طور پر برص کی بیماری تھی تو یہ بیضاء صرف اس کی ذات کے لیے معجزہ ہو سکتا تھا، اس کے درباریوں پر اس معجزے کا کیا رب طاری ہوتا۔ لہذا صحیح بات وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اس ہاتھ میں سورج کی سی چمک پیدا ہو جاتی تھی جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ قدیم مفسرین میں سے بھی بہتوں نے اس کے یہی معنی لیے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِيرْ لِي آمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ۝ يَفْقَهُوا
 قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ۝ هُرْوَنْ أَخِي ۝ اشْدُدْ بَهْ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي
 آمْرِي ۝ كَنْ نُسْبِحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ قَالَ قَدْ
 أُوتِيْتَ سُؤْلَكَ يِمْوُسِي ۝ وَلَقَدْ مَنَّنَا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ۝ إِذَا وَحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا
 يُوَحِّي ۝ أَنِ اقْدِيفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْدِيفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلِيُلْقِيهِ الْيَمِّ بِالسَّاحِلِ يَا حُذْهُ عَدُوُّ
 لِي ۝ وَعَدُوُّهُ ۝ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي ۝ وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي ۝ إِذْ تَمْشِيَ أَخْتُكَ
 فَتَقُولُ هَلْ أَدْلُكُمْ عَلَى مَنْ يَكْفُلُهُ ۝ فَرَجَعْنَكَ إِلَى أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنْ ۝ وَ
 قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَيْنَكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَكَ فُتُونًا ۝ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنْ ۝ ثُمَّ
 جِئْتَ عَلَى قَدَارِ يِمْوُسِي ۝ وَاصْطَنَعْتَكَ لِنَفْسِي ۝ إِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخْرُوكَ بِأَيْتِيٍّ وَلَا تَنِيَا
 فِي ذِكْرِي ۝ إِذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۝ فَقُولَاهُ قَوْلَلَهُ لَيَتَذَكَّرَ أَوْ يَخْشِيَ
 قَالَ رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغِي ۝ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعْكُمَا أَسْمَعْ وَ
 أَرِي ۝ فَاتِيْهُ فَقُولَاهُ إِنَّا رَسُولًا رَبِّكَ فَأَرْسَلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۝ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۝ قَدْ
 جِئْنَكَ بِأَيْتِيٍّ مِنْ رَبِّكَ ۝ وَالسَّلْمُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى ۝ إِنَّا قَدْ أُوحَى إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ

عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلَّ ۝ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُمُوسِي ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ
 خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ۝ قَالَ فَمَا بَأْلُ الْقُرْوَنِ الْأُولَى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا
 يَضِلُّ رَبِّي وَ لَا يَنْسَى ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَ سَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَ
 أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتِّي ۝ كُلُوا وَ ارْعَوْا
 أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّا وُلِي النُّهُوكِ ۝

QuranUrdu.com

دکو٤ ۲

موسیٰ نے عرض کیا ”پروردگار، میر اسینہ کھول دے،¹⁴ اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرد سبلجھادے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں،¹⁵ اور میرے لیے میرے اپنے کنبے سے ایک وزیر مقرر کر دے۔ ہارونؑ، جو میرا بھائی ہے۔¹⁶ اُس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضمبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے، تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔ تو ہمیشہ میرے حال پر نگران رہا ہے۔“

فرمایا ”دیا گیا جو تو نے مانگا اے موسیٰ، ہم نے پھر ایک مرتبہ تجھ پر احسان کیا۔¹⁷ یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا، ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعہ سے ہی کیا جاتا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا سے ساحل پر پھیک دے گا اور اس سے میرا دشمن اور اس بچے کا دشمن اٹھا لے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کر جب کہ تیری بہن چل رہی تھی، پھر جا کر کہتی ہے، ”میں تمہیں اُس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پروردش اچھی طرح کرے؟“ اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔ اور یہ بھی یاد کر کہ تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، ہم نے تجھے اس پھندے سے نکلا اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا اور تو میدین کے لوگوں میں کئی سال ٹھہرا رہا۔ پھر اب ٹھیک اپنے وقت پر تو آگیا ہے اے موسیٰ۔ میں نے تجھ کو اپنے کام کا بنالیا ہے۔ جا، تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ۔ اور دیکھو، تم میری یاد میں تقصیر نہ کرنا۔ جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کے وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔¹⁸

دونوں **18A** نے عرض کیا ”پروردگار، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا پل پڑے گا۔“

فرمایا ”ڈرمٹ، میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سُن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ جاؤ اُس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اُس کے لیے جو راہ راست کی پیروی کرے۔ ہم کو وحی سے بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اُس کے لیے جو جھٹکائے اور منہ موڑے۔“ **19**

فرعون **20** نے کہا ”اچھا، تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟“ **21**

موسیٰ نے جواب دیا ”ہمارا رب وہ **22** ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راستہ بتایا۔“ **23**

فرعون بولا ”اور پہلے جو نسلیں گزر چکیں ہیں ان کی پھر کیا حالت تھی؟“ **24**

موسیٰ نے کہا ”اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشته میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چُوكتا ہے نہ بھولتا ہے۔“ **25** **26** وہی جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، اور اُس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے، اور اوپر سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے۔“ **27**

سورة طہ حاشیہ نمبر: 14 ▲

یعنی میرے دل میں اس منصب عظیم کو سنبھالنے کی ہمت پیدا کر دے۔ اور میرا حوصلہ بڑھادے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا کام حضرت موسیٰؑ کے سپرد کیا جا رہا تھا جس کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی، اس لیے آپ نے دعا کی کہ مجھے وہ صبر، وہ ثبات، وہ تحمل، وہ بے خوفی اور وہ عزم عطا کر جو اس کام کے لیے درکار ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 15 ▲

بائیبل میں اس کی تشریح بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا "اے خداوند، میں فصح نہیں ہوں نہ پہلے ہی تھا اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا۔ بلکہ رک رک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے" (خرون 4:10)۔ مگر تلمود میں اس کا ایک لمبا چوڑا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ بچپن میں جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر پرورش پار ہے تھے، ایک روز انہوں نے فرعون کے سر کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس بچے نے یہ کام بالارادہ کیا ہے یا یہ محض طفلانہ فعل ہے۔ آخر کار یہ تجویز کیا گیا کہ بچے کے سامنے سونا اور آگ دونوں ساتھ رکھے جائیں۔ چنانچہ دونوں چیزیں لا کر سامنے رکھی گئیں اور حضرت موسیٰؑ نے اٹھا کر آگ منہ میں رکھ لی۔ اس طرح ان کی جان تو بچ گئی، مگر زبان میں ہمیشہ کے لیے لکنت پڑ گئی۔

یہی قصہ اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی رواج پا گیا۔ لیکن عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ اس لیے کہ اگر بچے نے آگ پر ہاتھ مارا بھی ہو تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہ انگارے کو اٹھا کر منہ میں لے جاسکے بچہ تو آگ کی جلن محسوس کرتے ہی ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ منہ میں لے جانے کی نوبت ہی کہاں آسکتی ہے؟ قرآن کے الفاظ سے جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اندر خطابت کی صلاحیت نہ پاتے تھے اور ان کو اندیشہ لاحق تھا کہ نبوت کے فرائض ادا

کرنے کے لیے اگر تقریر کی ضرورت کبھی پیش آئی (جس کا انہیں اس وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا) تو ان کی طبیعت کی جھجک مانع ہو جائے گی۔ اس لیے انہوں نے دعا فرمائی کہ یا اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میں اچھی طرح اپنی بات لوگوں کو سمجھا سکوں۔ یہی چیز تھی جس کافرعون نے ایک مرتبہ ان کو طعنہ دیا کہ "یہ شخص تو اپنی بات بھی پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (لَا يَكُادُ يُبْيِنُ ○ - الزُّخْرُف - ٥٢)" اور یہی کمزوری تھی جس کو محسوس کر کے حضرت موسیٰ نے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کو مددگار کے طور پر مانگا۔ سورہ قصص میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا وَ أَخْرِيْ هُرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيْ رِدْدًا میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ زبان آور ہے، اس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج۔ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ کمزوری دور ہو گئی تھی اور وہ خوب زور دار تقریر کرنے لگے تھے، چنانچہ قرآن میں اور بائیبل میں ان کی بعد کے دور کی جو تقریر یہیں آئی ہیں وہ کمال فصاحت و طاقتِ لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔

یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہکلے یا تو تلے آدمی کو اپنا رسول مقرر فرمائے۔ رسول ہمیشہ شکل، صورت، شخصیت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین لوگ ہوئے ہیں جن کے ظاہر و باطن کا ہر پہلو دلوں اور نگاہوں کو منتاثر کرنے والا ہوتا تھا۔ کوئی رسول ایسے عیب کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہیں بھیجا جا سکتا تھا جس کی بنابرودہ لوگوں میں مضکمہ بن جائے یا حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 16 ▲

بائیبل کی روایت کے مطابق حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ سے تین برس بڑے تھے (خرون 7:7)

سورة طہ حاشیہ نمبر: 17 ▲

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلاتا ہے جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک اس نے ان پر کیے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل سورہ قصص میں بیان ہوتی ہے۔ یہاں صرف اشارات کیے گئے ہیں جن سے مقصود حضرت موسیٰؑ کی احسان دلانا ہے کہ تم اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو اور اسی کام کے لیے آج تک خاص طور پر سرکاری نگرانی میں پروردش پاتے رہے ہو جس پر اب تمہیں مامور کیا جا رہا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 18 ▲

آدمی کے راہ راست پر آنے کی دو ہی شکلیں ہیں۔ یا تو وہ تفہیم و تلقین سے مطمئن ہو کر صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے، یا پھر برے انجام سے ڈر کر سیدھا ہو جاتا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 18A ▲

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰؑ مصر پہنچ گئے اور حضرت ہارونؑ ان کے شریک کا رہو گئے۔ اس وقت فرعون کے پاس جانے سے پہلے دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ گزارش کی ہوگی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 19 ▲

اس واقعہ کو بائیبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لجیے تاکہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس شان سے کرتا ہے اور بنی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر پیش کی گئی ہے۔ بائیبل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ جب خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ "اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے" تو حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا "میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں"۔ پھر خدا نے حضرت موسیٰؑ کو

بہت کچھ سمجھایا، ان کی ڈھارس بندھائی، مجزے عطا کیے، مگر حضرت موسیؑ نے پھر کہا تو یہی کہا کہ اے خداوند، میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج " (خرونج 4)۔ تلمود کی روایت اس سے بھی چند قدم آگے جاتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیؑ کے درمیان سات دن تک اسی بات پر رد و کد ہوتی رہی۔ اللہ کہتا رہا کہ نبی بن، مگر موسیؑ کہتے رہے کہ میری زبان ہی نہیں کھلتی تو میں نبی کیسے بن جاؤں۔ آخر اللہ میاں نے کہا میری خوشی یہ ہے کہ تو ہی نبی بن۔ اس پر حضرت موسیؑ نے کہا کہ لوٹ کو بچانے کے لیے آپ نے فرشتے بھیجے، ہاجرہ جب سارہ کے گھر سے نکلی تو اس کے لیے پانچ فرشتے بھیجے، اور اب اپنے خاص بچوں (بنی اسرائیل) کو مصر سے نکلانے کے لیے آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ اس پر خدا ناراض ہو گیا اور اس نے رسالت میں ان کے ساتھ ہارونؐ کو شریک کر دیا اور موسیؑ کی اولاد کو محروم کر کے کہانت کا منصب ہارونؐ کی اولاد کو دے دیا۔۔۔۔۔۔ یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لیے گئے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 20 ▲

یہاں قصے کی ان تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے کہ حضرت موسیؑ کس طرح فرعون کے پاس پہنچے اور کس طرح اپنی دعوت اس کے سامنے پیش کی۔ یہ تفصیلات سورہ اعراف رکوع 13 میں گزر چکی ہیں اور آگے سورہ شعراء رکوع 2-3، سورہ فقصہ رکوع 4، اور سورہ نازعات رکوع 1 میں آنے والی ہیں۔

فرعون کے متعلق ضروری معلومات کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حاشیہ 86۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 21 ▲

دونوں بھائیوں میں سے اصل صاحبِ دعوت چونکہ موسیؑ تھے اس لیے فرعون نے انہی کو مخاطب کیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ خطاب کا رخ ان کی طرف رکھنے سے اس کا مقصد یہ بھی ہو کہ وہ حضرت ہارونؐ کی فصاحت و

بلاغت کو میدان میں آنے کا موقع نہ دینا چاہتا ہو اور خطابت کے پہلو میں حضرت موسیٰؑ کے ضعف سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو جس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

فرعون کے اس سوال کا منشاء تھا کہ تم دونوں کے رب بنائیجھے ہو، مصر اور اہل مصر کا رب تو میں ہوں۔ سور نازعات میں اس کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ **أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعُلَى** اے اہل مصر، تمہارا رب اعلیٰ میں ہوں"۔

سورہ زخرف میں وہ بھرے دربار کو مخاطب کر کے کہتا ہے **يَقُومُ الَّذِيْسِ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهُدْنَةُ الْأَنْهَرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ** اے قوم، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہرہ ہی ہیں

"؟" (آیت-51)۔ سورہ فقص میں وہ اپنے درباریوں کے سامنے یوں بنکارتا ہے **يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ نَكْمُ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِيْ فَأَوْقِدْنِيْ يَهَا مِنْ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْنِيْ صَرْحًا لَعَلَى آَطَلِعْ إِلَى إِلَهٍ مُؤْسِي**

اے سردار ان قوم، میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور بھی اللہ ہے، اے ہامان، ذرا اینٹیں پکو اور ایک بلند عمارت میرے لیے تیار کرتا تا کہ میں ذرا اوپر چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰؑ کے اللہ بنارہا ہے" (آیت 38)۔ سورہ شعراء میں وہ حضرت موسیٰؑ کو ڈانٹ کر کہتا ہے **لَئِنِ اتَّخَذَتِ إِلَهًا غَيْرِيْ لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِيْنَ** اگر تو نے میرے سوا کسی کو والہ بنایا تو یاد رکھ کہ تجھے جیل بھیج دوں گا"

(آیت 29)۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرعون اپنی قوم کا واحد معبد تھا اور وہاں اس کے سوا کسی کی پرستش نہ ہوتی تھی۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ فرعون خود سورج دیوتا (رع یاراع) کے او تار کی حیثیت سے بادشاہی کا استحقاق جتنا تھا، اور یہ بات بھی مصر کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس قوم کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں

اور دیویوں کی عبادت ہوتی تھی۔ اس لیے فرعون کا دعویٰ "واحد مرکز پرستش" ہونے کا نہ تھا، بلکہ وہ عملًا مصر کی اور نظریے کے اعتبار سے دراصل پوری نوع انسان کی سیاسی ربوبیت و خداوندی کا مدعاً تھا اور یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ اس کے اوپر کوئی دوسری ہستی فرمانزروا ہو جس کا نماہندہ آکر اسے ایک حکم دے اور اس حکم کی اطاعت کا مطالبہ اس سے کرے۔ بعض لوگوں کو اس کی لئے تراثیوں سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر تھا اور خود خدا ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا۔ مگر یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ وہ عالم بالا پر کسی اور کی حکمرانی مانتا تھا۔ سورہ المؤمن آیات 28 تا 34 اور سورہ زخرف آیت 53 کو غور سے دیکھیے۔ یہ آیتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی ہستی سے اس کو انکار نہ تھا۔ البتہ جس چیز کو ماننے کے لیے وہ تیار نہ تھا وہ یہ تھی کہ اس کی سیاسی خدائی میں اللہ کا کوئی دخل ہو اور اللہ کا کوئی رسول آکر اس پر حکم چلائے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، القصص، حاشیہ 53)

سورة طہ حاشیہ نمبر: 22

یعنی ہم ہر معنی میں صرف اس کو رب مانتے ہیں۔ پروردگار، آقا، مالک، حاکم، سب کچھ ہمارے نزدیک وہی ہے۔ کسی معنی میں بھی اس کے سوا کوئی دوسرا رب ہمیں تسلیم نہیں ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 23

یعنی دنیا کی ہر شے جیسی کچھ بھی بنی ہوئی ہے، اسی کے بنانے سے بنی ہے۔ ہر چیز کو جو بناؤٹ، جو شکل و صورت، جو قوت و صلاحیت، اور جو صفت و خاصیت حاصل ہے، اسی کے عطیے اور بخشش کی بدولت حاصل ہے۔ ہاتھ کو دنیا میں اپنا کام کرنے کے لیے جس ساخت کی ضرورت تھی وہ اس کو دی، اور پاؤں کو جو مناسب ترین ساخت درکار تھی وہ اس کو بخشی۔ انسان، حیوان، نباتات، جمادات، ہوا، پانی، روشنی، ہر ایک

چیز کو اس نے وہ صورت خاص عطا کی ہے جو اسے کائنات میں اپنے حصے کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے لیے مطلوب ہے۔

پھر اس نے ایسا نہیں کیا کہ ہر چیز کو اس کی مخصوص بنادوں دے کر یوں ہی چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ اس کے بعد وہی ان سب چیزوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو۔ کان کو سنبھالنا اور آنکھ کو دیکھنا اسی نے سکھایا ہے۔ مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو اڑانا اسی کی تعلیم سے آیا ہے۔ درخت کو پھل پھول دینے اور زمین کو نباتات اگانے کی ہدایت اسی نے دی ہے۔ غرض وہ ساری کائنات اور اس کی ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں، ہادی اور معلم بھی ہے۔

اس بے نظیر جامع و مختصر جملے میں حضرت موسیٰ نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ان کا رب کون ہے، بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ وہ کیوں رب ہے اور کس لیے اس کے سوا کسی اور کورب نہیں مانا جا سکتا۔ دعوے کے ساتھ اس کی دلیل بھی اسی چھوٹے سے فقرے میں آگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب فرعون اور اس کی رعایا کا ہر فرد اپنے وجود خاص کے لیے اللہ کا ممنون احسان ہے، اور جب ان میں سے کوئی ایک لمحہ کے لیے زندہ تک نہیں رہ سکتا جب تک اس کا دل اور اس کے پھیپھڑے اور اس کا معدہ و جگر اللہ کی دی ہوئی ہدایت سے اپنا کام نہ کیے چلے جائیں، تو فرعون کا یہ دعویٰ کہ وہ لوگوں کا رب ہے، اور لوگوں کا یہ ماننا کہ وہ واقعی ان کا رب ہے، ایک حماقت اور ایک مذاق کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

مزید برال، اسی ذرا سے فقرے میں حضرت موسیٰ نے اشارۂ رسالت کی دلیل بھی پیش کر دی جس کے ماننے سے فرعون کو انکار تھا۔ ان کی دلیل میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ خدا جو تمام کائنات کا ہادی ہے، اور جو ہر چیز کو اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایت دے رہا ہے، اس کے عالمگیر منصب ہدایت کا لازمی

تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی شعوری زندگی کے لیے بھی رہنمائی کا انتظام کرے۔ اور انسان کی شعوری زندگی کے لیے رہنمائی کی وہ شکل موزوں نہیں ہو سکتی جو مچھلی اور مرغی کی رہنمائی کے لیے موزوں ہے۔ اس کی موزوں ترین شکل یہ ہے کہ ایک ذی شعور انسان اس کی طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہو اور وہ ان کی عقل و شعور کو اپیل کر کے انہیں سیدھا راستہ بتائے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 24

یعنی اگر بات یہی ہے کہ جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی اور زندگی میں کام کرنے کا راستہ بتایا اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں ہے، تو یہ ہم سب کے باپ دادا جو صد ہابرس سے نسل در نسل دوسرے ارباب کی بندگی کرتے چلے آ رہے ہیں، ان کی تمہارے نزدیک کیا پوزیشن ہے؟ کیا وہ سب گمراہ تھے؟ کیا وہ سب عذاب کے مستحق تھے؟ کیا ان سب کی عقلیں ماری گئی تھیں؟ یہ تھافر عنون کے پاس حضرت موسیٰ کی اس دلیل کا جواب۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جواب اس نے بر بنائے جہالت دیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ بر بنائے شرارت۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں دونوں باتیں شامل ہوں، یعنی وہ خود بھی اس بات پر جھلا گیا ہو کہ اس مذہب سے ہمارے تمام بزرگوں کی گمراہی لازم آتی ہے، اور ساتھ ساتھ اس کا مقصد یہ بھی ہو کہ اپنے اہل دربار اور عام اہل مصر کے دلوں میں حضرت موسیٰ کی دعوت کے خلاف ایک تعصّب بھڑکا دے۔ اہل حق کی تبلیغ کے خلاف یہ ہتھکنڈہ اہمیشہ استعمال کیا جاتا رہا ہے اور جاہلوں کو مشتعل کرنے کے لیے بڑا موثر ثابت ہوا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ قرآن کی یہ آیات نازل ہوئی ہیں، مکہ میں نبی ﷺ کی دعوت کو نیچا دکھانے کے لیے سب سے زیادہ اسی ہتھکنڈے سے کام لیا جا رہا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ کے مقابلے میں فرعون کی اس مکاری کا ذکر یہاں بالکل بر محل تھا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 25

یہ ایک نہایت ہی حکیمانہ جواب ہے جو حضرت موسیٰؑ نے اس وقت دیا اور اس سے حکمت تبلیغ کا ایک بہترین سبق حاصل ہوتا ہے۔ فرعون کا مقصد، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سامعین کے، اور ان کے توسط سے پوری قوم کے دلوں میں تعصّب کی آگ بھڑکانا تھا۔ اگر حضرت موسیٰؑ کہتے کہ ہاں وہ سب جاہل اور گمراہ تھے اور سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے تو چاہے یہ حق گوئی کا بڑا ذریعہ نمونہ ہوتا، مگر یہ جواب حضرت موسیٰؑ کے بجائے فرعون کے مقصد کی زیادہ خدمت انجام دیتا۔ اس لیے آنحضرت نے کمال دانائی کے ساتھ ایسا جواب دیا جو بجائے خود حق بھی تھا، اور ساتھ ساتھ اس نے فرعون کے زہر لیے دانت بھی توڑ دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جیسے کچھ بھی تھے، اپنا کام کر کے خدا کے ہاں جا چکے ہیں۔ میرے پاس ان کے اعمال اور ان کی نیتوں کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کوئی حکم لگاؤں۔ ان کا پورا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ ان کی ایک ایک حرکت اور اس کے حرکات کو خدا جانتا ہے۔ نہ خدا کی نگاہ سے کوئی چیز پچھی رہ گئی ہے اور نہ اس کے حافظہ سے کوئی شے محو ہوئی ہے۔ ان سے جو کچھ بھی معاملہ خدا کو کرنا ہے اس کو وہی جانتا ہے۔ مجھے اور تمہیں یہ فکر نہیں ہوئی چاہیے کہ ان کا موقف کیا تھا اور ان کا انجام کیا ہو گا۔ ہمیں تو اس کی فکر ہوئی چاہیے کہ ہمارا موقف کیا ہے اور ہمیں کس انجام سے دوچار ہونا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 26

انداز کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا جواب "نہ بھولتا ہے" پر ختم ہو گیا، اور یہاں سے آخر پیر اگراف تک کی پوری عبارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور شرح و تذکیر ارشاد ہوئی ہے۔ قرآن میں اس طرح کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ کسی گزرے ہوئے یا آئندہ پیش آنے والے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے جب کسی شخص کا کوئی قول نقل کیا جاتا ہے، تو اس کے بعد متصلًا چند فقرے و عظاوہ بند، یا شرح و تفسیر،

یا تفصیل و توضیح کے طور پر مزید ارشاد فرمائے جاتے ہیں اور صرف انداز کلام سے پتا چل جاتا ہے کہ یہ اس شخص کا قول نہیں ہے جس کا پہلے ذکر ہوا تھا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا قول ہے۔ واضح رہے کہ اس عبارت کا تعلق صرف قریب کے فقرے "میر ارب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے" سے ہی نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰؑ کے پورے کلام سے ہے جو **رَبُّنَا الَّذِي آعْطَى كُلَّ شَيْءٍ** سے شروع ہوا ہے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 27

یعنی جو لوگ عقل سلیم سے کام لے کر جستجوئے حق کرنا چاہتے ہوں وہ ان نشانات کی مدد سے منزل حقیقت تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ نشانات ان کو بتا دیں گے کہ اس کائنات کا ایک رب ہے اور ربوبیت ساری کی ساری اسی کی ہے۔ کسی دوسرے رب کے لیے یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نَعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا خُرِجْنَاكُمْ تَارَةً اُخْرَى ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ اِيْتَنَا
كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ﴿٥٦﴾ قَالَ أَجِعْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا إِسْحَرْكَ يَمُوسَى ﴿٥٧﴾
فَلَنَا أَتَيْنَاهُ سِحْرٍ مِثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا
سُوْىٰ ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الْزِيْنَةِ وَأَنْ يُحْشِرَ النَّاسُ ضَحَى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلَّ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ
كَيْدَهُ ثُمَّ آتَى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُوسَى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتُكُمْ بِعَذَابٍ وَ
قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَى ﴿٦٢﴾ قَالُوا إِنْ هَذِينِ
لَسِحْرَنِ يُرِيدُنِ أَنْ يُخْرِجُكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلِى
فَاجْمِعُوهُ كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوهُمْ صَفَّاً وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَى ﴿٦٣﴾ قَالُوا يَمُوسَى إِمَّا
أَنْ تُلْقِي وَإِمَّا أَنْ تَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى ﴿٦٤﴾ قَالَ بَلْ أَلْقَوْا فَإِذَا جِبَالُهُمْ وَعِصِيَّهُمْ يُخَيَّلُ
إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى ﴿٦٥﴾ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيْفَةً مُوسَى ﴿٦٦﴾ قُلْنَا لَا تَخْفِ إِنَّكَ
أَنْتَ الْأَعْلَى ﴿٦٧﴾ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا طَ اِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سِحْرٍ وَلَا
يُفْلِغُ السَّاحِرُ حِيْثُ آتَى ﴿٦٨﴾ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا أَمَنَّا بِرَبِّ هَرُونَ وَمُوسَى ﴿٦٩﴾ قَالَ
أَمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَيْرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَا قَطْعَنَّ

أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا صِلَبَتَكُمْ فِي جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيْنَا آَشَدُ
عَذَابًا وَآبْقَى ﴿٤١﴾ قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا
أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ﴿٤٢﴾ إِنَّا أَمَنَّا بِرِبِّنَا لِيغْفِرَ لَنَا خَطَّيْنَا وَمَا
أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَآبْقَى ﴿٤٣﴾ إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ
جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيِي ﴿٤٤﴾ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّلَاحَتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ
الَّذَّارَجُتُ الْعُلُوُّ ﴿٤٥﴾ جَنَّتُ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَءُ أَمْنٍ

تَرْكِي ﴿٤٦﴾

QuranUrdu.Org

دکوع ۳

اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔ 28

ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں 29 دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔ کہنے لگا ”اے موسیٰ، کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے؟ 30 اچھا، ہم بھی تیرے مقابلے میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ طے کر لیے کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے۔ نہ ہم اس قرارداد سے پھریں گے نہ تو پھریو۔ کھلے میدان میں سامنے آجا۔“

موسیٰ نے کہا ”جشن کا دن طے ہوا، اور دن چڑھے لوگ جمع ہوں۔ 31“

فرعون نے پلٹ کر اپنے سارے ہتھکنڈے جمع کیے اور مقابلے میں آگیا 32

موسیٰ نے ﴿عین موقع پر گروہ مقابل کو مخاطب کر کے 33 کہا ”شامت کے مارو، نہ جھوٹی تمہیں باندھو اللہ پر، 34 ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہارا ستیاناس کر دے گا۔ جھوٹ جس نے بھی گھڑاوہ نامرا در ہوا۔“

یہ شن کر ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا اور وہ چیکے چیکے باہم مشورہ کرنے لگے۔ 35 آخر کار کچھ لوگوں نے کہا کہ 36 ”یہ دونوں تو محض جادو گر ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری

زمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ **37** اپنی ساری تدبیریں آج اکٹھی کر لو اور ایکا کر کے میدان میں آو۔ **38** بس یہ سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہی جیت گیا۔“

جادو گر **39** بولے ”موسیٰ، تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟“

موسیٰ نے کہا ”نہیں، تم ہی پھینکو۔“

یکا یک اُن کی رسیاں اور اُن کی لاثھیاں اُن کے جادو کے زور سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گیا۔ **41** ہم نے کہا ”مت ڈر، تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے، ابھی ان کی ساری بناؤی چیزوں کو لگلے جاتا ہے۔ **42** یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادو گر کا فریب ہے، اور جادو گر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، خواہ کسی شان سے وہ آئے۔“ آخر کویہی ہوا کہ سارے جادو گر سجدے میں گردیے گئے **43** اور پکارا ٹھے ”مان لیا ہم نے ہارون اور موسیٰ کے رب کو۔“ **44**

فرعون نے کہا ”تم ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارا گرو ہے جس نے تمہیں جادو گری سکھائی تھی۔ **45** اچھا، اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں سے کٹو اتا ہوں **46** اور کھجور کے تنوں پر تم کو سُولی دیتا ہوں۔ **47** پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔“ **48** یعنی میں تمہیں زیادہ سخت سزادے سکتا ہوں یا موسیٰ

۔

جادو گروں نے جواب دیا ”قسم ہے اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجائے کے بعد بھی صداقت پر تجویز ترجیح دیں۔ **49** تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔

تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے، تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، در گزر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔۔۔۔۔ حقیقت **50** یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو گا اُس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ جیے گا نہ مرے گا۔ **51** اور جو اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہو گا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں، سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اُس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔ ۳۶

سورة طہ حاشیہ نمبر: 28 ▲

یعنی ہر انسان کو لازماً تین مرحلوں سے گزرنا ہے۔ ایک مرحلہ موجودہ دنیا میں پیدائش سے لے کر موت کا۔ دوسرا مرحلہ موت سے قیامت تک کا۔ اور تیسرا قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کا مرحلہ۔ یہ تینوں مرحلے اس آیت کی رو سے اسی زمین پر گزرنے والے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 29 ▲

یعنی آفاق و آنفُس کے دلائل کی نشانیاں بھی، اور وہ مجرزات بھی جو حضرت موسیٰؑ کو دیے گئے تھے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر حضرت موسیٰؑ کی وہ تقریریں بھی موجود ہیں جو انہوں نے فرعون کو سمجھانے کے لیے کیں۔ اور وہ مجرزات بھی مذکور ہیں جو اس کے پے در پے دکھائے گئے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 30 ▲

جادو سے مراد عصا اور یہ بیضا کا مجرزہ ہے جو سورہ اعراف اور سورہ شراء کی تفصیلات کے موجب حضرت موسیٰؑ نے پہلی ہی ملاقات کے وقت بھرے دربار میں پیش کیا تھا۔ اس مجرزے کو دیکھ کر فرعون پر جو بد حواسی طاری ہوئی اس کا اندازہ اس کے اسی فقرے سے کیا جاسکتا ہے کہ ”تو اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے“۔ دنیا کی تاریخ میں نہ پہلے کبھی یہ واقعہ پیش آیا تھا اور نہ بعد میں کبھی پیش آیا کہ کسی جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے کوئی ملک فتح کر لیا ہو۔ فرعون کے اپنے ملک میں سینکڑوں ہزاروں جادوگر موجود تھے جو تماشے دکھاد کھا کر انعام کے لیے ہاتھ پھیلاتے پھرتے تھے۔ اس لیے فرعون کا ایک طرف یہ کہنا کہ تو جادوگر ہے، اور دوسری طرف یہ خطرہ ظاہر کرنا کہ تو میری سلطنت چھین لینا چاہتا ہے، کھلی ہوئی بد حواسی کی علامت ہے، دراصل وہ حضرت موسیٰؑ کی معقول و مدلل تقریر، اور پھر ان کے مجرزے کو دیکھ کر یہ سمجھ گیا تھا کہ نہ صرف اس کے اہل دربار، بلکہ اس کی رعایا کے بھی عوام و خواص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اس لیے اس نے جھوٹ اور فریب اور تعصبات کی انگیخت

سے کام نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے کہا یہ مجذہ نہیں جادو ہے اور ہماری سلطنت کا ہر جادوگر اسی طرح لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ لوگو، ذرا دیکھو، یہ تمہارے باپ دادا کو گمراہ اور جہنمی ٹھہر اتا ہے۔ اس نے کہا کہ لوگو، ہوشیار ہو جاؤ، یہ پیغمبر و یغمبر کچھ نہیں ہے، اقتدار کا بھوکا ہے، چاہتا ہے کہ یوسف کے زمانے کی طرح پھر بنی اسرائیل یہاں حکمران ہو جائیں اور قبیلی قوم سے سلطنت چھین لی جائے۔ ان ہتھکنڈوں سے وہ دعوت حق کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ (مزید تشریحات کے لیے تفہیم القرآن، جلد دوم کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں، الاعراف حواشی 87، 88، 89، 90۔ یونس، حاشیہ 75۔) اس مقام پر یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ ہر زمانے میں بر سر اقتدار لوگوں نے داعیان حق کو یہی الزام دیا ہے کہ وہ دراصل اقتدار کے بھوکے ہیں اور ساری باتیں اسی مقصد کے لیے کر رہے ہیں۔ اس کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو الاعراف، آیت 110، 123، یونس، آیت 78۔ المونون، آیت 24۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 31

فرعون کا مدعا یہ تھا کہ ایک دفعہ جادوگروں سے لاٹھیوں اور رسیوں کا سانپ بنو کر دکھادوں تو موسیٰ کے مجذے کا جواہر لوگوں کے دلوں پر ہوا ہے وہ دور ہو جائے گا۔ یہ حضرت موسیٰ کی منہ مانگی مراد تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ الگ کوئی دن اور جگہ مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ جشن کا دن قریب ہے، جس میں تمام ملک کے لوگ دار السلطنت میں کھنچ کر آ جاتے ہیں۔ وہیں میلے کے میدان میں مقابلہ ہو جائے تاکہ ساری قوم دیکھ لے۔ اور وقت بھی دن کی پوری روشنی کا ہونا چاہیے تاکہ شک و شبہ کے لیے کوئی گنجائش نہ رہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 32

فرعون اور اس کے درباریوں کی نگاہ میں اس مقابلے کی اہمیت یہ تھی کہ وہ اسی کے فیصلے پر اپنی قسمت کا فیصلہ معلق سمجھ رہے تھے۔ تمام ملک میں آدمی دوڑا دیے گئے کہ جہاں جہاں کوئی ماہر جادوگر موجود ہو اسے

لے آئیں۔ اسی طرح عوام کو بھی جمع کرنے کی خاص طور پر ترغیب دی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اکٹھے ہوں اور اپنی آنکھوں سے جادو کے کمالات دیکھ کر عصائی موسیٰ کے رب سے محفوظ ہو جائیں۔ کھلم کھلا کھا جانے لگا کہ ہمارے دین کا انحصار اب جادو گروں کے کرتب پر ہے۔ وہ جیتیں تو ہمارا دین نپچ گا، ورنہ موسیٰ کا دین چھا کر رہے گا (ملاحظہ ہو سورہ شعراء رکوع ۳)۔

اس مقام پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مصر کے شاہی خاندان اور طبقہ امراء کا مذہب عوام کے مذہب سے کافی مختلف تھا۔ دونوں کے دیوتا اور مندر الگ الگ تھے، مذہبی مراسم بھی یکساں نہ تھے، اور زندگی بعد موت کے معاملہ میں بھی، جس کو مصر میں بہت بڑی اہمیت حاصل تھی، دونوں کے عملی طریقے اور نظری انجام میں بہت بڑا امتیاز پایا جاتا تھا (ملاحظہ ہو Toynbee کی A Study of History صفحہ 31-32)۔ علاوه بریں مصر میں اس سے پہلے جو مذہبی انقلابات رونما ہوئے تھے ان کی بدولت وہاں کی آبادی میں متعدد ایسے عناصر پیدا ہو چکے تھے جو ایک مشرکانہ مذہب کی بہ نوبت ایک توحیدی مذہب کو ترجیح دیتے تھے یادے سکتے تھے۔ مثلاً خود بنی اسرائیل اور ان کے ہم مذہب لوگ آبادی کا کم از کم دس فی صدی حصہ تھے۔ اس کے علاوہ اس مذہبی انقلاب کو ابھی پورے ڈیڑھ سو برس بھی نہ گزرے تھے جو فرعون آمیں و فس یا آخناتون (1377 قم 1360 قم) نے حکومت کے زور سے برپا کیا تھا، جس میں تمام معبودوں کو ختم کر کے صرف ایک معبود آتون باقی رکھا گیا تھا۔ اگرچہ اس انقلاب کو بعد میں حکومت ہی کے زور سے الٹ دیا گیا، مگر کچھ نہ کچھ تو اپنے اثرات وہ بھی چھوڑ گیا تھا۔ ان حالات کو نگاہ میں رکھا جائے تو فرعون کی وہ گھبرائٹ اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے جو اس موقع پر اسے لاحق تھی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 33

یہ خطاب عوام سے نہ تھا جنہیں ابھی حضرت موسیٰؐ کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ مججزہ دکھاتے ہیں یا جادو، بلکہ خطاب فرعون اور اس کے درباریوں سے تھا جو انہیں جادو گر قرار دے رہے تھے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 34

یعنی اس کے مججزے کو جادو اور اس کے پیغمبر کو ساحر کذاب نہ قرار دو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 35

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنی کمزوری کو خود محسوس کر رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ حضرت موسیٰؐ نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی سے اس مقابلے میں ڈرتے اور ہچکچاتے ہوئے آئے تھے، اور جب عین موقع پر حضرت موسیٰؐ نے ان کو لکار کر متنبہ کیا تو ان کا عزم یکاک متر لزل ہو گیا۔ ان کا اختلاف رائے اس امر میں ہوا ہو گا کہ آیا اس بڑے تھوار کے موقع پر، جبکہ پورے ملک سے آئے ہوئے آدمی اکٹھے ہیں، کھلے میدان اور دن کی پوری روشنی میں یہ مقابلہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں۔ اگر یہاں ہم شکست کھا گئے اور سب کے سامنے جادو اور مججزے کا فرق کھل گیا تو پھر بات سنبحا لے نہ سنبحا لے سکے گی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 36

اور یہ کہنے والے لازماً فرعونی پارٹی کے وہ سرپھرے لوگ ہوں گے جو حضرت موسیٰؐ کی مخالفت میں ہر بازی کھلیں جانے پر تیار تھے۔ جہاندیدہ اور معاملہ فہم لوگ قدم آگے بڑھاتے ہوئے جھجک رہے ہوں گے۔ اور یہ سرپھرے جو شیلے لوگ کہتے ہوں گے کہ خواہ مخواہ کی دوراندیشیاں چھوڑ دو اور جی کڑا کر کے مقابلہ کر ڈالو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 37 ▲

یعنی ان لوگوں کا دار و مدار دو باتوں پر تھا۔ ایک یہ کہ اگر جادو گر بھی موسیٰ کی طرح لاٹھیوں سے سانپ بن کر دکھادیں گے تو موسیٰ کا جادو گر ہونا مجمع عام میں ثابت ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ تعصبات کی آگ بھڑک کر حکمران طبقے کو اندھا جوش دلانا چاہتے تھے اور یہ خوف انہیں دلار ہے تھے کہ موسیٰ کا غالب آجانا تمہارے ہاتھوں سے ملک نکل جانے اور تمہارے مثالی (Ideal) طریق زندگی کے ختم ہو جانے کا ہم معنی ہے۔ وہ ملک کے بااثر طبقے کو ڈرار ہے تھے کہ اگر موسیٰ کے ہاتھ اقتدار آگیا تو یہ تمہاری ثقافت، اور یہ تمہارے آرٹ، اور یہ تمہارا حسین و جمیل تھا، اور یہ تمہاری تفریحات، اور یہ تمہاری خواتین کی آزادیاں (جن کے شاندار نمونے حضرت یوسفؐ کے زمانے کی خواتین پیش کر چکی تھیں) غرض وہ سب کچھ جو کے بغیر زندگی کا کوئی مزہ نہیں، غارت ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے بعد تو نری "ملائیت" کا دور دورہ ہو گا جسے برداشت کرنے سے مر جانا بہتر ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 38 ▲

یعنی ان کے مقابلے میں متحدہ محاڑ پیش کرو۔ اگر اس وقت تمہارے درمیان آپس ہی میں پھوٹ پڑ گئی اور عین مقابلے کے وقت مجمع عام کے سامنے یہ ہپکچاہٹ اور سرگوشیاں ہونے لگیں تو ابھی ہوا اکھڑ جائے گی اور لوگ سمجھ لیں گے کہ تم خود اپنے حق پر ہونے کا یقین نہیں رکھتے، بلکہ دلوں میں چور لیے ہوئے مقابلے پر آئے ہو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 39 ▲

پیچ کی یہ تفصیل چھوڑ دی گئی کہ اس پر فرعون کی صفوں میں اعتماد بحال ہو گیا اور مقابلہ شروع کرنے کا فیصلہ کر کے جادو گروں کو احکام دے دیے گئے کہ میدان میں اتر آئیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 40 ▲

سورہ اعراف میں بیان ہوا تھا کہ **فَلَمَّا آتُقُوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَأَسْتَرُهُبُوْهُمْ** جب انہوں نے اپنے انچھر پھینکے تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور کر دیا اور انہیں دہشت زدہ کر دیا" (آیت 116)۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ یہ اثر صرف عام لوگوں پر ہی نہیں ہوا تھا، خود حضرت موسیٰؑ بھی سحر کے اثر سے متاثر ہو گئے تھے۔ ان کی صرف آنکھوں ہی نے یہ محسوس نہیں کیا بلکہ ان کے خیال پر بھی یہ اثر پڑا کہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 41 ▲

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جو نبی حضرت موسیٰؑ کی زبان سے "پھینکو" کا لفظ نکلا، جادوگروں نے یکبارگی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ان کی طرف پھینک دیں اور اچانک ان کو یہ نظر آیا کہ سینکڑوں سانپ دوڑتے ہوئے ان کی طرف چلے آرہے ہیں۔ اس منظر سے فوری طور پر اگر حضرت موسیٰؑ نے ایک دہشت اپنے اندر محسوس کی ہو تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ انسان بہر حال انسان ہی ہوتا ہے۔ خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، انسانیت کے تقاضے اس سے منفک نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰؑ کو یہ خوف لاحق ہوا ہو کہ معجزے سے اس قدر مشابہ منظر دیکھ کر عوام ضرور فتنے میں پڑ جائیں گے۔ اس مقام پر یہ بات لائق ذکر ہے کہ قرآن یہاں اس امر کی تصدیق کر رہا ہے کہ عام انسانوں کی طرح پیغمبر بھی جادو سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جادوگر اس کی نبوت سلب کر لیئے، یا اس کے اوپر نازل ہونے والی وحی میں خلل ڈال دینے، یا جادو کے اثر سے اس کو گراہ کر دینے کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن فی الجملہ کچھ دیر کے لیے اس کے قویٰ پر ایک گونہ اثر ضرور ڈال سکتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی کھل جاتی ہے جو

احادیث میں نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہونے کی روایات پڑھ کرنہ صرف ان روایات کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تمام حدیثوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے لگتے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 42 ▲

ہو سکتا ہے کہ مجھزے سے جو اژدھا پیدا ہوا تھا وہ ان تمام لاٹھیوں اور رسیوں ہی کو نگل گیا ہو جو سانپ بنی نظر آرہی تھیں۔ لیکن جن الفاظ میں یہاں اور دوسرے مقامات پر قرآن میں اس واقعے کو بیان کیا گیا ہے ان سے بظاہر گمان یہی ہوتا ہے کہ اس نے لاٹیوں اور رسیوں کو نہیں نگلا بلکہ اس جادو کے اثر کو باطل کر دیا جس کی بدولت وہ سانپ بنی نظر آرہی تھیں۔ سورہ اعراف اور شراء میں الفاظ یہ ہیں کہ **تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ** جو جھوٹ وہ بنار ہے تھے اس کو وہ نگلے جا رہا تھا۔ اور یہاں الفاظ یہ ہیں کہ **صَنَعُوا** "وہ نگل جائے گا اس چیز کو جو انہوں نے بنار کھی ہے" اب یہ ظاہر ہے کہ ان کا جھوٹ اور ان کی بناؤٹ لاٹھیاں اور رسیاں نہ تھیں بلکہ وہ جادو تھا جس کی بدولت وہ سانپ بنی نظر آرہی تھیں۔ اس لیے ہمارا خیال یہ ہے کہ جدھر جدھر وہ گیا لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل کر اس طرح پیچھے پھینکتا چلا گیا کہ ہر لاٹھی، لاٹھی اور ہر رسی، رسی بن کر پڑی رہ گئی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 43 ▲

یعنی جب انہوں نے عصائے موسیٰ کا کارنامہ دیکھا تو انہیں فوراً یقین آگیا کہ یہ یقیناً مجذہ ہے، ان کے فن کی چیز ہرگز نہیں ہے، اس لیے وہ اس طرح یکبارگی اور بے ساختہ سجدے میں گرے جیسے کسی نے اٹھا اٹھا کر ان کو گردیا ہو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 44 ▲

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں سب کو معلوم تھا کہ یہ مقابلہ کس بنیاد پر ہو رہا ہے۔ پورے مجمع میں کوئی بھی اس غلط فہمی میں نہ تھا کہ مقابلہ موسیٰؑ اور جادوگروں کے کرتب کا ہو رہا ہے اور فیصلہ اس بات کا ہونا ہے کہ کس کا کرتب زبردست ہے۔ سب یہ جانتے تھے کہ ایک طرف موسیٰؑ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ، خالق زمین و آسمان کے پیغمبر کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں، اور اپنی پیغمبری کے ثبوت میں یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ان کا عاصا مجزے کے طور پر فی الواقع اژدها بن جاتا ہے۔ اور دوسری طرف جادوگروں کو بر سر عام بلا کر فرعون یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ عاصا سے اژدها بن جانا مجزہ نہیں ہے بلکہ محض جادو کا کرتب ہے۔ بالفاظ دیگر، وہاں فرعون اور جادوگر اور سارے تماثلی عوام و خواص مجزے اور جادو کے فرق سے واقف تھے، اور امتحان اس بات کا ہو رہا تھا کہ موسیٰؑ جو کچھ دکھار ہے ہیں یہ جادو کی قسم سے ہے یا اس مجزے کی قسم سے جو رب العالمین کی قدرت کے کرشمے کے سوا اور کسی طاقت سے نہیں دکھایا جا سکتا۔ یہ وجہ ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو کو مغلوب ہوتے دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ "ہم نے مان لیا، موسیٰؑ ہم سے زیادہ باکمال ہے"، بلکہ انہیں فوراً لقین آگیا کہ موسیٰؑ واقعی اللہ رب العالمین کے سچے پیغمبر ہیں اور وہ پکارا ٹھے کہ ہم اس خدا کو مان گئے جس کے پیغمبر کی حیثیت سے موسیٰؑ اور ہارونؑ آئے ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مجمع عام پر اس شکست کے کیا اثرات پڑے ہوں گے، اور پھر پورے ملک پر اس کا کیسا زبردست اثر ہوا ہو گا۔ فرعون نے ملک کے سب سے بڑے مرکزی میلے میں یہ مقابلہ اس امید پر کرایا تھا کہ جب مصر کے ہر گوشے سے آئے ہوئے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ جائیں گے کہ لاٹھی سے سانپ بنادینا موسیٰؑ کا کوئی نرالا کمال نہیں ہے، ہر جادوگر یہ کرتب دکھالیتا ہے، تو موسیٰؑ کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ لیکن اس کی یہ تدبیر اسی پر الٹ پڑی، اور قریہ قریہ سے آئے ہوئے لوگوں کے سامنے خود

جادو گروں ہی نے بالاتفاق اس بات کی تصدیق کر دی کہ موسیٰ جو کچھ دکھار ہے ہیں یہ انکے فن کی چیز نہیں ہے، یہ فی الواقع مجذب ہے جو صرف خدا کا پیغمبر ہی دکھا سکتا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 45 ▲

سورہ اعراف میں الفاظ یہ ہیں **إِنَّ هَذَا الْكُرْمَ مَكْرُوتُمُوا فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا آهْلَهَا** "یہ ایک سازش ہے جو تم لوگوں نے دارالسلطنت میں ملی بھگت کر کے کی ہے تاکہ سلطنت سے اس کے مالکوں کو بے دخل کر دو"۔ یہاں اس قول کی مزید تفصیل یہ دی گئی ہے کہ تمہارے درمیان صرف ملی بھگت ہی نہیں ہے، بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ موسیٰ تمہارا سردار اور گرو ہے، تم نے مجذب سے شکست نہیں کھائی ہے بلکہ اپنے استاد سے جادو میں شکست کھائی ہے، اور تم آپس میں یہ طے کر کے آئے ہو کہ اپنے استاد کا غلبہ ثابت کر کے اور اسے اس کی پیغمبری کا ثبوت بناؤ کر یہاں سیاسی انقلاب برپا کر دو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 46 ▲

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 47 ▲

صلیب یا سولی دینے کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ ایک لمبا شہیر سا لیکر زمین میں گاڑ دیتے تھے، یا کسی پرانے درخت کا تنا اس غرض کے لیے استعمال کرتے تھے، اور اس کے اوپر کے سرے پر ایک تختہ آڑا کر کے باندھ دیتے تھے۔ پھر مجرم کو اوپر چڑھا کر اور اس کے دونوں ہاتھ پھیلا کر آڑے تختے کے ساتھ کیلیں ٹھونک دیتے تھے۔ اس طرح مجرم تختے کے بل لٹکا رہ جاتا تھا اور گھنٹوں سک سک کر جان دے دیتا تھا۔ صلیب دیے ہوئے یہ مجرم ایک مدت تک یونہی لٹکے رہنے دیے جاتے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر سبق حاصل کریں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 48 ▲

یہ ہاری ہوئی بازی جیت لینے کے لئے فرعون کا آخری داؤ تھا، وہ چاہتا تھا کہ جادو گروں کو انتہائی خوفناک سزا سے ڈرا کر ان سے یہ اقبال کرالے کہ واقعی یہ ان کی اور موسیٰؑ کی ملی بھگت تھی اور وہ ان سے ملکر سلطنت کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ مگر جادو گروں کے عزم واستقامت نے اس کا یہ داؤ بھی الٹ دیا، انہوں نے اتنی ہولناک سزا برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر دنیا بھر کو یہ یقین دلا دیا کہ سازش کا الزام محض بگڑی ہوئی بات بنانے کے لئے ایک بے شرمانہ سیاسی چال کے طور پر گھٹرا گیا ہے، اور اصل حقیقت یہی ہے کہ وہ سچے دل سے موسیٰؑ کی نبوت پر ایمان لے آئے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 49 ▲

دوسراترجمہ اس آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے: "یہ ہر گز نہیں ہو سکتا کہ ہم ان روشن نشانیوں کے مقابلے میں جو ہمارے سامنے آچکی ہیں، اور اس ذات کے مقابلے میں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھے ترجیح دیں"۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 50 ▲

یہ جادو گروں کے قول پر اللہ تعالیٰ کا اپنا اضافہ ہے۔ انداز کلام خود بتارہا ہے کہ یہ عبارت جادو گروں کے قول کا حصہ نہیں ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 51 ▲

یعنی موت اور زندگی کے درمیان لٹکتا رہے گا۔ نہ موت آئے گی کہ اس کی تکلیف اور مصیبت کا خاتمه کر دے۔ اور نہ جینے کا ہی کوئی لطف اسے حاصل ہو گا کہ زندگی کو موت پر ترجیح دے سکے۔ زندگی سے بیزار ہو گا، مگر موت نصیب نہ ہو گی۔ مرننا چاہے گا مگر مرنہ سکے گا۔ قرآن مجید میں دوزخ کے عذابوں کی جتنی تفصیلات دی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ خوفناک صورت عذاب یہی ہے جسکے تصور سے روح کا نپاٹھتی ہے۔

وَلَقْدُ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى لَهُ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبْسَأْ لَا تَخْفُ
 دَرَكًا وَلَا تَخْشِي ۝ فَاتَّبَعُهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ط ۝ وَأَضَلَّ
 فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَى ۝ يَبْنِي إِسْرَآءِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ
 جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَرَّلَنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلُوْي ۝ كُلُّوا مِنْ طَيِّبَتِ مَا
 رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغُوا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ خَضِيبٌ وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ خَضِيبٌ فَقَدْ هَوَى ۝
 وَإِنِّي لَغَافِرٌ لِتُنْ تَابَ وَأَمْنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ۝ وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ
 يَمْوُسِي ۝ قَاتَهُمْ أُولَاءِ عَلَى آثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّي تَرْضِي ۝ قَاتَ فَإِنَا قَدْ فَتَنَّا
 قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفَاءَ قَاتَ
 يَقُومُ الْمَيِّعُدُ كُمْ رَبُّكُمْ وَعُدَّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ
 غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَقْتُمْ مَوْعِدِي ۝ قَاتُوا مَا أَخْلَفْنَا مَا مَوْعِدَكُمْ بِمَلْكِنَا وَنَكِنَا
 حُمِلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ الْقَوْمِ السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا
 جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ فَقَاتُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى هَفَنِسِي ۝ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ
 قَوْلًا لَهُ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝

دکو٦

ہم **52** نے موسیٰ پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑا، اور ان کے لیے سمندر میں سے سوکھی سڑک بنالے **53** ، تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف نہ ہو اور نہ سمندر کے بیچ سے گزرتے ہوئے پکڑا لگے۔

پیچھے سے فرعون اپنے لشکر لے کر پہنچا، اور پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔ **54** فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی کیا تھا، کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی تھی۔ **55**

اے بنی اسرائیل، ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی، اور طور کے دائمی جانب **57** تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا **58** اور تم پر من و سلوی اُتارا **59** ۔۔۔ کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق اور اسے کھا کر سرکشی نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غصب ٹوٹ پڑے گا۔ اور جس پر میرا غصب ٹوٹا وہ پھر گر کر ہی رہا۔ البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے، اُس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔ **60**

61 اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے پہلے لے آئی موسیٰ؟ **62**

اُس نے عرض کیا ”وہ بس میرے پیچھے آہی رہے ہیں۔ میں جلدی کر کے تیرے حضور آگیا ہوں اے میرے رب، تاکہ تو مجھ سے خوش ہو جائے۔“

فرمایا ”اچھا، تو سُنو، ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں دال دیا اور سامری ⁶³ نے انہیں گمراہ کر ڈالا۔“

موسیٰ سخت غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹا۔ جا کر اُس نے کہا ”اے میری قوم کے لوگو، کیا تمہارے رب نے تم سے ابھی وعدے نہیں کیے تھے؟ ⁶⁴ کیا تمہیں دن لگ گئے ہیں؟ ⁶⁵ یا تم اپنے رب کا غصب ہی اپنے اوپر لانا چاہتے تھے کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ ⁶⁶“

انہوں نے جواب دیا ”ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے اختیار سے نہیں کی، معاملہ یہ ہوا کہ لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے اور ہم نے بس اُن کو پھینک دیا تھا ⁶⁷۔۔۔۔۔ ⁶⁸ پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا اور ان کے لیے ایک پچھڑے کی مورت بنانے کا نکال لایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ پکارا ٹھے ”بہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا، موسیٰ اسے بھول گیا۔“ کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے؟ ⁶⁹

سورة طہ حاشیہ نمبر: 52 ▲

پیچ میں ان حالات کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے جو اس کے بعد مصر کے طویل زمانہ قیام میں پیش آئے۔ ان تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف رکوع 15-16، سورہ یونس رکوع 9، سورہ مومن رکوع 3 تا 5، اور سورہ زخرف رکوع 5۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 53 ▲

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخر کار ایک رات مقرر فرمادی جس میں تمام اسرائیلی اور غیر اسرائیلی مسلمانوں کو (جن کے لیے "میرے بندوں" کا جامع لفظ استعمال کیا گیا ہے) مصر کے ہر حصے سے ہجرت کے لیے نکل پڑنا تھا۔ یہ سب لوگ ایک طے شدہ مقام پر جمع ہو کر ایک قافلے کی صورت میں روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحر احمر سے بحر روم (میڈیٹرینین) تک کا پورا علاقہ کھلا ہوا تھا۔ مگر اس علاقے کے تمام راستوں پر فوجی چھاؤنیاں تھیں جن سے بخیریت نہیں گزر اجا سکتا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے چل کر جزیرہ نماۓ سینا کی طرف نکل جائیں۔ لیکن ادھر سے فرعون ایک لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آپنہ چا جکہ یہ قافلہ ابھی سمندر کے ساحل ہی پر تھا۔ سورہ شعراء میں بیان ہوا ہے کہ مہاجرین کا قافلہ لشکر فرعون اور سمندر کے درمیان بالکل گھر چکا تھا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ **اُضِربْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ**، "اپنا عصا سمندر پر مار۔" **فَانْقُلَقْ فَكَانَ**

كُلُّ فِرْقٍ كَالْطُّودِ الْعَظِيمِ، "فوراً سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے ٹیکے کی طرح کھڑا ہو گیا۔"

اور پیچ میں صرف یہی نہیں کہ قافلے کے گزرنے کے لیے راستہ نکل آیا، بلکہ پیچ کا یہ حصہ، اوپر کی آیت کے مطابق خشک ہو کر سوکھی سڑک کی طرح بن گیا۔ یہ صاف اور صریح مجھے کا بیان ہے اور اس سے ان

لوگوں کے بیان کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ ہوا کے طوفان یا جوار بھائی کی وجہ سے سمندر ہٹ گیا تھا۔ اس طرح جو پانی ہٹتا ہے وہ دونوں طرف ٹیلوں کی صورت میں کھڑا نہیں ہو جاتا، اور نقج کا حصہ سوکھ کر سڑک کی طرح نہیں بن جاتا (مزید تشرح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم الشعرا حاشیہ 47)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 54

سورہ شعرا میں بیان ہوا ہے کہ مہاجرین کے گزرتے ہی فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر کے اس درمیانی راستے میں اتر آیا (آیات 64-66) یہاں بیان کیا گیا ہے کہ سمندر نے اس کو اور اس کے لشکر کو دبوچ لیا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ بنی اسرائیل سمندر کے دوسرے کنارے پر سے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ (آیت 50) اور سورہ یونس میں بتایا گیا ہے کہ ڈوبتے وقت فرعون پکارا اُنْهَا أَمَنَتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا إِلَّا إِلَّيَّ أَمَنَتُ بِهِ بَنُوا اسْرَارَ عَيْلٍ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ "میں مان گیا کہ کوئی خدا نہیں ہے اس خدا کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں"۔ مگر اس آخری لمحہ کے ایمان کو قبول نہ کیا گیا اور جواب ملا: أَكُنْ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ فَالْيُوْمَ نُنْحِيَكَ بِبَدَنَكَ لِتَكُونَ لِتَنْ خَلْفَكَ أَيَّةً ۝ "اب ایمان لا تا ہے؟ اور پہلے یہ حال تھا کہ نافرمانی کرتا رہا اور فساد کیے چلا گیا۔ اچھا، آج ہم تیری لاش کو بچائے لیتے ہیں تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنارہے"۔ آیات 90-92۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 55

بڑے لطیف انداز میں کفار کے کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے سردار اور لیڈر بھی تم کو اسی راستے پر لیے جا رہے ہیں جس پر فرعون اپنی قوم کو لے جا رہا تھا۔ اب تم خود دیکھ لو کہ یہ کوئی صحیح رہنمائی نہ تھی۔

اس قصے کے خاتمے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل بیانات کا بھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان لوگوں کے جھوٹ کی حقیقت کھل جائے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں۔ بائیبل کی کتاب خروج (Exodus) میں اس قصے کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں، ان کے حسب ذیل اجزاء قابل توجہ ہیں:

(1) باب 4، آیت 2-5 میں بتایا گیا ہے کہ عصا کا مجذہ حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ اور آیت 17 میں انہیں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ "تو اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیے جا اور اسی سے ان مجذوں کو د کھانا"۔ مگر آگے جا کرنہ معلوم یہ لاٹھی کس طرح حضرت ہارونؑ کے قبضے میں چلی گئی اور وہی اس سے مجذہ د کھانے لگے۔ باب 7 سے لے کر بعد کے ابواب میں مسلسل ہم کو حضرت ہارونؑ کی لاٹھی کے مجذہ د کھاتے نظر آتے ہیں۔

(2)- باب 5 میں فرعون سے حضرت موسیٰؑ کی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے، اور اس میں سرے سے اس بحث کا کوئی ذکر، ہی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے مسئلے پر ان کے اور فرعون کے درمیان ہوئی تھی۔ فرعون کہتا ہے کہ "خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات مانوں اور بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا"۔ مگر حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ اس کے سوا کچھ جواب نہیں دیتے کہ "عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے"۔ (باب 5- آیت 2-3)۔

(3) جادوگروں سے مقابلے کی پوری داستان میں ان چند فقروں میں سمیٹ دی گئی ہے، " اور خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا کہ جب فرعون تم کو کہے کہ اپنا مجذہ د کھاؤ تو ہارونؑ سے کہنا کہ اپنی لاٹھی کو لے کر فرعون کے سامنے ڈال دے تاکہ وہ سانپ بن جائے۔ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کی اور ہارونؑ نے اپنی لاٹھی فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے ڈال دی

اور وہ سانپ بن گئی۔ تب فرعون نے بھی داناوں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنی لاٹھی سامنے ڈالی اور وہ سانپ بن گئیں۔ لیکن ہارونؑ کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔ (باب 7۔ آیت 8-12)۔ اس بیان کا مقابلہ قرآن کے بیان سے کر کے دیکھ لیا جائے کہ قصے کی ساری روح یہاں کس بری طرح فنا کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جشن کے دن کھلے میدان میں باقاعدہ چیلنج کے بعد مقابلہ ہونا، اور پھر شکست کے بعد جادوگروں کا ایمان لانا، جو قصے کی اصل جان تھا، سرے سے یہاں مذکور ہی نہیں ہے۔

(4)۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؐ کا مطالبہ بنی اسرائیل کی رہائی اور آزادی کا تھا۔ بنی اسرائیل کا بیان ہے کہ مطالبہ صرف یہ تھا "ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں"۔ (باب 5۔ آیت 3)

(5) مصر سے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے کا مفصل حال باب 11 سے 14 تک بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی مفید معلومات، اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں متوجہ ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی۔ مثلاً باب 14 کی آیات 15-16 میں حضرت موسیٰؐ کو حکم دیا جاتا ہے کہ "تو اپنی لاٹھی (جی ہاں، اب لاٹھی حضرت ہارونؑ سے لے کر پھر حضرت موسیٰؐ کو دے دی گئی ہے) اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے پیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے"۔ لیکن آگے چل کر آیت 21-22 میں کہا جاتا ہے کہ "پھر موسیٰؐ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنادیا اور پانی دو حصے ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے پیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے دامنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آیا یہ مجزہ تھا یا طبعی واقعہ اگر مجزہ تھا تو عصا کی ضرب سے ہی رونما

ہو گیا ہو گا، جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور اگر طبعی واقعہ خاتویہ عجیب صورت ہے کہ مشرقی آندھی نے سمندر کو نیچ میں سے پھاڑ کر پانی کو دونوں طرف دیوار کی طرح کھڑا کر دیا اور نیچ میں سے خشک راستہ بنادیا۔ کیا فطری طریقے سے ہوا کبھی ایسے کرشمہ دکھاتی ہے؟

تلمود کا بیان نسبتہ بائبل سے مختلف اور قرآن سے قریب تر ہے، مگر دونوں کا مقابلہ کرنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے ایک جگہ براہ راست علم و حی کی بنا پر واقعات بیان کیے جا رہے ہیں، اور دوسری جگہ صدیوں کی سینا بسینہ روایات میں واقعات کی صورت اچھی خاصی مسخ ہو گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

The Talmud Selections, H. Polano. Pp. 150-54

سورة طہ حاشیہ نمبر: 56

سمندر کو عبور کرنے سے لے کر کوہ سینا کے دامن میں پہنچنے تک کی داستان نیچ میں چھوڑ دی گئی ہے۔ اس کی تفصیلات سورہ اعراف رکوع 16-17 میں گزر چکی ہیں۔ اور وہاں یہ بھی گزر چکا ہے کہ مصر سے نکلتے ہی بنی اسرائیل جزیرہ نماۓ سینا کے ایک مندر کو دیکھ کر اپنے لیے ایک بناؤٹی خدامانگ بیٹھے تھے (تفہیم القرآن۔ جلد دوم، الاعراف، حاشیہ 98)

سورة طہ حاشیہ نمبر: 57

یعنی طور کے مشرقی دامن میں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 58

سورہ بقرہ رکوع 6، اور سورہ اعراف رکوع 17 میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شریعت کا ہدایت نامہ عطا کرنے کے لیے چالیس دن کی میعاد مقرر کی تھی جس کے بعد حضرت موسیٰؑ کو پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے احکام عطا کیے گئے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 59

من وسلوی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول البقرہ، حاشیہ 73۔ الاعراف، حاشیہ 118۔ باعیبل کا بیان ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرائیل دشت سین میں ایلیم اور سینا کے درمیان گزر رہے تھے اور خوراک کے ذخیرے ختم ہو کر فاقوں کی نوبت آگئی تھی، اس وقت من وسلوی کا نزول شروع ہوا، اور فلسطین کے آباد علاقوں میں پہنچنے تک پورے چالیس سال یہ سلسلہ جاری رہا (خرود، باب 16۔ گنتی باب 11، آیت 7۔ 9۔ یشوع، باب 5، آیت 12)۔ کتاب خروج میں من وسلوی کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے:

"اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بڑیں آئیں کہ ان کی خیمہ گاہ کو ڈھانک لیا۔ اور صبح کو خیمہ گاہ کے آس پاس اوس پڑی ہوئی تھی اور جب وہ اوس جو پڑی تھی سوکھ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول گول چیز، ایسی چھوٹی جیسے پالے کے دانے ہوتے ہیں، زمین پر پڑی ہے۔ بنی اسرائیل اسے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے مَنْ؟ کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے" (باب 16۔ آیت 13۔ 15)۔

"اور بنی اسرائیل نے اس کا نام من رکھا اور وہ دھنیے کے بیچ کی طرح سفید اور اس کا مزہ شہد کے بننے ہوئے پوئے کی طرح تھا" (آیت 31)۔

گنتی میں اس کی مزید تشریح یہ ملتی ہے:

"لوگ ادھر ادھر جا کر اسے جمع کرتے اور اسے چکی میں پیستے یا اوکھلی میں کوٹ لیتے تھے۔ پھر اسے ہانڈیوں میں ابال کر روٹیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا ساتھا۔ اور رات کو جب لشکر گاہ میں اس پڑتی تو اس کے ساتھ من بھی گرتا تھا" (اب 11۔ آیت 8۔ 9)

یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ کیونکہ 40 برس بعد جب بنی اسرائیل کے خوراک کے فطری ذرائع بھم پہنچ گئے تو یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اب نہ اس علاقے میں بیڑوں کی وہ کثرت ہے، نہ منہیں پایا جاتا ہے۔ تلاش و جستجو کرنے والوں نے ان علاقوں کو چھان مارا ہے جہاں بائبل کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل نے 40 سال تک دشت نوردی کی تھی۔ من ان کو کہیں نہ ملا۔ البتہ کاروباری لوگ خریداروں کو بیو قوف بنانے کے لیے من کا حلوا ضرور بیچتے پھرتے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 60 ▲

یعنی مغفرت کے لیے چار شرطیں ہیں۔ اول توبہ، یعنی سرکشی و نافرمانی یا شرک و کفر سے باز آ جانا۔ دوسرے، ایمان، یعنی اللہ اور رسول اور کتاب اور آخرت کو صدق دل سے مان لینا۔ تیسراے عمل صالح، یعنی اللہ اور رسول کی ہدایات کے مطابق نیک عمل کرنا۔ چوتھے اہتماد، یعنی راہ راست پر ثابت قدم رہنا اور پھر غلط راستے پر نہ جا پڑنا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 61 ▲

یہاں سے سلسلہ بیان اس واقعہ کے ساتھ جڑتا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ تم طور کے دائیں جانب ٹھہر و، اور چالیس دن کی مدت گزرنے پر تمہیں ہدایت نامہ عطا کیا جائے گا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 62 ▲

اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کوراستے ہی میں چھوڑ کر حضرت موسیٰ اپنے رب کی ملاقات کے شوق میں آگے چلے گئے تھے۔ طور کی جانب ایکیں میں، جہاں کا وعدہ بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا، ابھی قافلہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت موسیٰ اکیلے روانہ ہو گئے اور حاضری دے دی۔ اس موقع پر جو معاملات خدا اور بندے کے درمیان ہوئے ان کی تفصیلات سورہ اعراف رو 17 میں درج ہیں۔ حضرت موسیٰ گا دیدار

اللہ کی استدعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، پھر اللہ کا ایک پہاڑ پر ذرا سی تجھی فرمائے ریزہ ریزہ کر دینا اور حضرت موسیٰؑ کا بیو ش ہو کر گرپڑنا، اس کے بعد پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے احکام عطا ہونا، یہ سب اسی وقت کے واقعات ہیں۔ یہاں ان واقعات کا صرف وہ حصہ بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل کی گو سالہ پرستی سے متعلق ہے۔ اس کے بیان سے مقصود کفار مکہ کو یہ بتانا ہے کہ ایک قوم میں بت پرستی کا آغاز کس طرح ہوا کرتا ہے اور اللہ کے نبی اس فتنے کو اپنی قوم میں سراٹھاتے دیکھ کر کیسے بے تاب ہو جایا کرتے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 63 ▲

یہ اس شخص کا نام نہیں ہے، بلکہ یاۓ نسبتی کی صریح علامت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہر حال کوئی نہ کوئی نسبت ہی ہے، خواہ قبیلے کی طرف ہو یا نسل کی طرف یا مقام کی طرف۔ پھر قرآن جس طرح "السامری" کہہ کر اس کا ذکر کر رہا ہے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سامری قبیلے یا نسل یا مقام کے بہت سے لوگ موجود تھے جن میں سے ایک خاص سامری وہ شخص تھا جس نے بنی اسرائیل میں سنہری پچھڑے کی پرستش پھیلائی۔ اس سے زیادہ کوئی تشریح قرآن کے اس مقام کی تفسیر کے لیے فی الحقیقت درکار نہیں ہے۔ لیکن یہ مقام ان اہم مقامات میں سے ہے جہاں عیسائی مشنریوں، اور خصوصاً مغربی مستشرقین نے قرآن پر حرف گیر کی حد کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ، معاذ اللہ، قرآن کے مصنف کی جہالت کا صریح ثبوت ہے، اس لیے کہ دولت اسرائیل کا دارالسلطنت "سامریہ" اس واقعہ کے کئی صدی بعد 965ق م کے قریب زمانے میں تعمیر ہوا، پھر اس کے بھی کئی صدی بعد اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کی وہ مخلوط نسل پیدا ہوئی جس نے "سامریوں" کے نام سے شہرت پائی۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ان سامریوں میں چونکہ دوسری مشرکانہ بدعتات کے ساتھ ساتھ سنہری پچھڑے کی پرستش کا رواج بھی تھا، اور یہودیوں

کے ذریعہ سے محمد ﷺ نے اس بات کی سن گن پالی ہو گی، اس لئے انہوں نے لے جا کر اس کا تعلق حضرت موسیٰؑ کے عہد سے جوڑ دیا اور یہ قصہ تصنیف کر ڈالا کہ وہاں سنہری بچھڑے کی پرستش رائج کرنے والا ایک سامری شخص تھا۔ اسی طرح کی باتیں ان لوگوں نے ہامان کے معاملہ میں بنائی ہیں جسے قرآن فرعون کے وزیر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، اور عیسائی مشنری اور مستشر قین اسے اخسویرس (شاہ ایران) کے درباری امیر "ہامان" سے لے جا کر ملا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کے مصنف کی جہالت کا ایک اور ثبوت ہے۔ شاید ان مدعايان علم و تحقیق کا گمان یہ ہے کہ قدیم زمانے میں ایک نام کا ایک ہی شخص یا قبیلہ یا مقام ہوا کرتا تھا اور ایک نام کے دو یا اندash اشخاص یا قبیلہ و مقام ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا۔ حالانکہ سُمیری قدیم تاریخ کی ایک نہایت مشہور قوم تھی جو حضرت ابراہیمؐ کے دور میں عراق اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر چھائی ہوئی تھی، اور اس بات کا بہت امکان ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں اس قوم کے، یا اس کی کسی شاخ کے لوگ مصر میں سامری کہلاتے ہوں۔ پھر خود اس سامریہ کی اصل کو بھی دیکھ لیجیے جس کی نسبت سے شمالی فلسطین کے لوگ بعد میں سامری کہلانے لگے۔ باہمیل کا بیان ہے کہ دولت اسرائیل کے فرمانرو اعمدی نے ایک شخص "سر" نامی سے وہ پہاڑ خرید اتھا جس پر اس نے بعد میں اپنا دار السلطنت تعمیر کیا۔ اور چونکہ پہاڑ کے سابق مالک کا نام سمر تھا اس لیے اس شہر کا نام سامریہ رکھا گیا (سلاطین 1، باب 16۔ آیت 24)۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سامریہ کے وجود میں آنے سے پہلے "سر" نام کے اشخاص پائے جاتے تھے اور ان سے نسبت پا کر ان کی نسل یا قبیلے کا نام سامری، اور مقامات کا نام سامریہ ہونا کم از کم ممکن ضرور تھا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 64 ▲

اچھا وعدہ نہیں کیا تھا" بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ متن میں جو ترجمہ ہم نے اختیار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آج تک تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جتنی بھلائیوں کا وعدہ بھی کیا ہے وہ سب تمہیں حاصل ہوتی رہی ہیں۔ تمہیں مصر سے بخیریت نکالا، غلامی سے نجات دی، تمہارے دشمن کو تہس نہیں کیا، تمہارے لیے ان صحر اؤں اور پہاڑی علاقوں میں سائے اور خوراک کا بندوبست کیا۔ کیا یہ سارے اچھے وعدے پورے نہیں ہوئے؟ دوسرے ترجمے کا مطلب یہ ہو گا کہ تمہیں شریعت اور ہدایت نامہ عطا کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا، کیا تمہارے نزدیک وہ کسی خیر اور بھلائی کا وعدہ نہ تھا؟

سورة طہ حاشیہ نمبر: 65 ▲

دوسراترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "کیا وعدہ پورا ہونے میں بہت دیر لگ گئی کہ تم بے صبر ہو گئے؟" پہلے ترجمے کا مطلب یہ ہو گا کہ تم پر اللہ تعالیٰ ابھی ابھی جو عظیم الشان احسانات کر چکا ہے، کیا ان کو کچھ بہت زیادہ مدت گزر گئی ہے کہ تم انہیں بھول گئے؟ کیا تمہاری مصیبت کا زمانہ بیٹھے قرنیں گزر چکی ہیں کہ تم سر مست ہو کر بہکنے لگے؟ دوسرے ترجمے کا مطلب صاف ہے کہ ہدایت نامہ عطا کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا، اس کے وفا ہونے میں کوئی تاخیر تو نہیں ہوئی ہے جس کو تم اپنے لیے عذر اور بہانہ بناسکو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 66 ▲

اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو ہر قوم اپنے نبی سے کرتی ہے۔ اس کے اتباع کا وعدہ۔ اس کی دی ہوئی ہدایت پر ثابت قدم رہنے کا وعدہ۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنے کا وعدہ۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 67 ▲

یہ ان لوگوں کا اذر تھا جو سامری کے فتنے میں مبتلا ہوئے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے زیورات سچینک دیے تھے۔ نہ ہماری کوئی نیت بچھڑا بنانے کی تھی، نہ ہمیں معلوم تھا کہ کیا بننے والا ہے۔ اس کے بعد جو معاملہ پیش آیا وہ تھا، ہی کچھ ایسا کہ اسے دیکھ کر ہم نے اختیار شرک میں مبتلا ہو گئے۔

"لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے" ، اس کا سیدھا مطلب تو یہ ہے کہ ہمارے مردوں اور عورتوں نے مصر کی رسموں کے مطابق جو بھاری زیورات پہن رکھے تھے وہ اس صحر انوری میں ہم پر بار ہو گئے تھے۔ اور ہم پریشان تھے کہ اس بوجھ کو کہاں تک لادے پھریں۔ لیکن بائبل کا بیان ہے کہ یہ زیورات مصر سے چلتے وقت ہر اسرائیلی گھرانے کی عورتوں اور مردوں نے اپنے مصری پڑوسی سے مانگ کو لے لیے تھے اور اس طرح ہر ایک اپنے پڑوسی کو لوٹ کر راتوں رات "ہجرت" کے لیے چل کھڑا ہوا تھا۔ یہ اخلاقی کارنامہ صرف اسی حد تک نہ تھا کہ ہر اسرائیلی نے بطور خود اسے انجام دیا ہو، بلکہ یہ کار خیر اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ نے ان کو سکھایا تھا، اور نبی کو بھی اس کی ہدایت خود اللہ میاں نے دی تھی۔ بائبل کی

کتاب خروج میں ارشاد ہوتا ہے :

"خدانے موسیٰؑ سے کہا..... جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ جب تم نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی۔ ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹ لو گے"۔ (باب 3۔ آیت 14 تا 22)

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا..... سواب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑو سی اور ہر عورت اپنی پڑو سن سے سونے چاندی کے زیور لے، اور خداوند نے ان لوگوں پر مصریوں کو مہربان کر دیا" (باب 11- آیت 1-3)

"اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں نے دیا، سوانہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا"۔ (باب 12- آیت 35-36)

افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین نے بھی قرآن کی اس آیت کی تفسیر میں بنی اسرائیل کی اس روایت کو آنکھیں بند کر کے نقل کر دیا ہے اور ان کی اس غلطی سے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا ہے کہ زیورات کا یہ بوجھ اسی لوٹ کا بوجھ تھا۔

آیت کے دوسرے طکڑے "اور ہم نے بس ان کو پھینک دیا تھا" کا مطلب ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جب اپنے زیورات کو لادے پھرنے سے لوگ تنگ آگئے ہوں گے تو ہم مشورے سے یہ بات قرار پائی ہو گی کہ سب کے زیورات ایک جگہ جمع کر لیے جائیں، اور یہ نوٹ کر لیا جائے کہ کس کا کتنا سونا اور کس کی کتنی چاندی ہے، پھر ان کو گلا کر اینٹوں اور سلاخوں کی شکل میں ڈھال لیا جائے، تاکہ قوم کے مجموعی سامان کے ساتھ گدھوں اور بیلوں پر لاد کر چلا جاسکے۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق ہر شخص اپنے زیورات لا لَا کر ڈھیر میں پھینکتا چلا گیا ہو گا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 68 ▲

یہاں سے پیر اگراف کے آخر تک کی عبارت پوغور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ قوم کا جواب "پھینک دیا تھا" پر ختم ہو گیا ہے اور بعد کی یہ تفصیل اللہ تعالیٰ خود بتا رہا ہے۔ اس سے صورت واقعہ یہ معلوم

ہوتی ہے کہ لوگ پیش آنے والے فتنے سے بے خبر، اپنے اپنے زیور لالا کر ڈھیر کرتے چلے گئے، اور سامری صاحب بھی ان میں شامل تھے۔ بعد میں زیور گلانے کی خدمت سامری صاحب نے اپنے ذمے لے لی، اور کچھ ایسی چال چلی کہ سونے کی اینٹیں یا سلاخیں بنانے کے بجائے ایک بچھڑے کی مورت بھٹی سے برآمد ہوئی جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ اس طرح سامری نے قوم کو دھوکا دیا کہ میں تو صرف سونا گلانے کا قصور وار ہوں، یہ تمہارا خدا آپ ہی اس شکل میں جلوہ فرماؤ گیا ہے۔

QuranUrdu.com

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَرُونُ مِنْ قَبْلُ يَقُولُ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّعُوْنِي وَأَطِيعُوْا أَمْرِي ﴿١﴾ قَالُوا إِنَّنَا نَبْرَحُ عَلَيْهِ عَكِيفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿٢﴾ قَالَ يَهْرُونُ مَا مَنَعَكُمْ إِذْ رَأَيْتُمُهُ ضَلْلًا ﴿٣﴾ أَلَا تَتَبَعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٤﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٥﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَسَامِرِي ﴿٦﴾ قَالَ بَصْرَتِي بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ آثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذَتْهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلْتُ لِي نَفْسِي ﴿٧﴾ قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسٌ ۚ وَإِنَّكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ ۚ وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلَّتْ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ ثُنَحِرِقَنَّهُ ثُمَّ لَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩﴾ كَذَلِكَ نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ أَتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ﴿١٠﴾ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ﴿١١﴾ خَلِدِيَنَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَ إِذْ زُرْقًا ﴿١٣﴾ يَتَخَافَّتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَيَشْتُمُ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٤﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْشَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَيَشْتُمُ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٥﴾

دکو٦ ۵

ہارونؑ موسیؑ کے آنے سے پہلے ہی ان سے کہہ چکا تھا کہ ”لوگو، تم اس کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو، تمہارا رب تو رحمٰن ہے، پس تم میرے پیروی کرو اور میری بات مانو۔“ مگر انہوں نے اُس سے کہہ دیا کہ ”ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک کہ موسیؑ واپس نہ آجائے۔“ **69**

موسیؑ قوم کو ڈالنٹنے کے بعد ہارونؑ کی طرف پلٹا اور بولا ”ہارونؑ، تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟“ **70**

ہارونؑ نے جواب دیا ”اے میری ماں کے بیٹے، میری ڈاڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ،**71** مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا تم نے بنی اسرائیل میں بخوبی ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔**72**

موسیؑ نے کہا ”اور سامری، تیر اکیا معاملہ ہے؟“

اس نے جواب دیا ”میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں کو نظر نہ آئی، پس میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھا لی اور اس کو ڈال دیا۔ میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سُجھایا۔**73**

موسیؑ نے کہا ”اچھا تو جا، اب زندگی بھر تجھے یہی پکارتے رہنا ہے کہ مجھے نہ چھونا۔**74** اور تیرے لیے باز پُرس کا ایک وقت مقرر ہے جو تجھ سے ہر گز نہ ٹلے گا۔ اور دیکھ اپنے اس خدا کو جس پر تو بیکھا ہوا تھا، اب

ہم اسے جلاڈالیں گے اور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہادیں گے۔ لوگو، تمہارا خدا تو بس ایک ہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے، ہر چیز پر اُس کا علم حاوی ہے۔“

اے محمد ﷺ، **75** اس طرح ہم پچھلے گزرے ہوئے حالات کی خبریں تم کو سناتے ہیں، اور ہم نے خاص اپنے ہاں سے تم کو ایک ”ذکر“ درسِ نصیحت عطا کیا ہے۔ **76** جو کوئی اس سے منہ موڑے گا وہ قیامت کے روز سخت بارگناہ اٹھائے گا، اور ایسے سب لوگ ہمیشہ اس کے وباں میں گرفتار رہیں گے، اور قیامت کے دن ان کے لیے اس جرم کی ذمہ داری کا بوجھ بڑا تکلیف دہ بوجھ ہو گا، **77** اُس دن جبکہ صور پھونکا جائے گا **78** اور ہم مجرموں کو اس حال میں گھیر لائیں گے کہ ان کی آنکھیں دہشت کے مارے گی پتھرائی ہوئی ہوں گی، **79** آپس میں چُپکے چُپکے کہیں گے کہ دُنیا میں مشکل ہی سے تم نے کوئی دس دن گزارے ہوں گے **80** ۔۔۔ **81** ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ باقیں کر رہے ہوں گے ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس وقت ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ محتاط اندازہ لگانے والا ہو گا وہ کہے گا کہ نہیں، تمہاری دنیا کی زندگی بس ایک دن کی زندگی تھی۔**۶۵**

سورة طہ حاشیہ نمبر: 69 ▲

بائیبل اس کے برعکس حضرت ہارونؑ پر الزام رکھتی ہے کہ بچھڑا بنانے اور اسے معبد قرار دینے کا گناہ عظیم انہی سے سرزد ہوا تھا:

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارونؑ کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے چلے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰؑ کو، جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا۔ ہارونؑ نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار کر ہارونؑ کے پاس لے آئے۔ اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے اسے اسرائیل، یہی تیر اوہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارونؑ نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہو گی" (خروج، باب 32۔ آیت 1-5)۔

بہت ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ غلط روایت اس وجہ سے مشہور ہوئی ہو کہ سامری کا نام بھی ہارونؑ ہی ہو، اور بعد کے لوگوں نے اس ہارونؑ کو ہارون نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خلط ملکر دیا ہو۔ لیکن آج عیسائی مشنریوں اور مغربی مستشرقوں کو اصرار ہے کہ قرآن یہاں بھی ضرور غلطی پر ہے، بچھڑے کو خدا ان کے مقدس نبی نے ہی بنایا تھا اور ان کے دامن سے اس داغ کو صاف کر کے قرآن نے ایک احسان نہیں بلکہ الثاقبور کیا ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا حال۔ اور ان کو نظر نہیں آتا کہ اسی باب میں چند سطر آگے چل کر خود بائیبل اپنی غلط بیانی کا راز کس طرح فاش کر رہی ہے۔ اس باب کی آخری دس آیتوں میں بائیبل یہ بیان کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اس کے بعد بنی لادی کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم

سنا یا کہ جن لوگوں نے شرک کا یہ گناہ عظیم کیا ہے انہیں قتل کیا جائے، اور ہر ایک مومن خود اپنے ہاتھ سے اپنے اس بھائی اور ساتھی کو قتل کرے جو گوسالہ پرستی کا مر تکب ہوا تھا۔ چنانچہ اس روز تین ہزار آدمی قتل کیے گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ کیوں چھوڑ دیے گئے؟ اگر وہی اس جرم کے بانی مبانی تھے تو انہیں اس قتل عام سے کس طرح معاف کیا جا سکتا تھا؟ کیا بنی لادی یہ نہ کہتے کہ موسیٰؑ، ہم کو تو حکم دیتے ہو کہ ہم اپنے گناہ گار بھائیوں اور ساتھیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں، مگر خود اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے حالانکہ اصل گناہ گار وہی تھا؟ آگے چل کر بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰؑ نے خداوند کے پاس جا کر عرض کیا کہ اب بنی اسرائیل کا گناہ معاف کر دے، ورنہ میر انام اپنی کتاب میں سے مٹا دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کا نام اپنی کتاب میں سے مٹاؤں گا"۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ کا نام نہ مٹایا گیا۔ بلکہ اس کے بر عکس ان کو اور ان کی اولاد کو بنی اسرائیل میں بزرگ ترین منصب، یعنی بنی لادی کی سرداری اور مقدس کی کہانت سے سرفراز کیا گیا (گنتی، باب 18۔ آیت 1-7)۔ کیا بائیبل کی یہ اندر ورنی شہادت خود اس کے اپنے سابق بیان کی تردید اور قرآن کے بیان کی تصدیق نہیں کر رہی ہے؟

سورة طہ حاشیہ نمبر: 70 ▲

حکم سے مراد وہ حکم ہے جو پھاڑ پر جاتے وقت، اور اپنی جگہ حضرت ہارونؑ کو بنی اسرائیل کی سرداری سونپتے وقت حضرت موسیٰؑ نے دیا تھا۔ سورہ اعراف میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے **وَ قَاتَ مُوسَى**

لِأَخِيْهِ هَرُونَ الْخُلْفَنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ أَصْبِلَهُ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ اور موسیٰؑ نے (جاتے ہوئے) اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ تم میری قوم میں میری جانشینی کرو اور دیکھو، اصلاح کرنا، مفسدوں کے طریقے کی پیروی نہ کرنا" (آیت 142)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 71 ▲

ان آیات کے ترجمے میں ہم نے اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ حضرت موسیٰ چھوٹے بھائی تھے مگر منصب کے لحاظ سے بڑے تھے، اور حضرت ہارونؑ بڑے بھائی تھے مگر منصب کے لحاظ سے چھوٹے تھے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 72 ▲

حضرت ہارونؑ کے اس جواب کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قوم کا مجتمع رہنا اس کے راہ راست پر رہنے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور اتحاد چاہے وہ شرک ہی پر کیوں نہ ہو، افتراق سے بہتر ہے خواہ اس کی بنا حق اور باطل ہی کا اختلاف ہو۔ اس آیت کا یہ مطلب اگر کوئی شخص لے گا تو قرآن سے ہدایت کے بجائے مگر اسی اخذ کرے گا۔ حضرت ہارونؑ کی پوری بات سمجھنے کے لیے اس آیت کو سورہ اعراف کی آیت 150 کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ وہاں وہ فرماتے ہیں کہ **إِنَّ أُمَّةَ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَ كَادُوا**

يَقْتُلُونِي ۝ فَلَا تُشْبِتُ بِالْأَعْدَاءِ وَ لَا تَجْعَلْنِي مَعَ الظَّالِمِينَ ۝ "میری ماں کے بیٹے، ان لوگوں نے مجھے دبالیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے۔ پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ میں مجھے شمارناہ کر۔" اب ان دونوں آیتوں کو جمع کر کے دیکھیے تو صورت واقعہ کی یہ تصویر سامنے آتی ہے کہ حضرت ہارونؑ نے لوگوں کو اس مگر اسی سے روکنے کی پوری کوشش کی، مگر انہوں نے آنحضرت کے خلاف سخت فساد کھڑا کر دیا اور آپ کو مار ڈالنے پر تل گئے۔ مجبوراً آپ اس اندیشے سے خاموش ہو گئے کہ کہیں حضرت موسیٰ کے آنے سے پہلے یہاں خانہ جنگلی برپا نہ ہو جائے، اور وہ بعد میں آکر شکایت کریں کہ تم اگر اس صورت حال سے عہدہ بر آنہ ہو سکے تھے تو تم نے معاملات کو اس حد تک کیوں بگڑنے دیا، میرے آنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔ سورہ اعراف والی آیت کے آخری فقرے سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قوم میں دونوں بھائیوں کے دشمنوں کی ایک تعداد موجود تھی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 73 ▲

اس آیت کی تفسیر میں دو گروہوں کی طرف سے عجیب کھیچ تان کی گئی ہے۔ ایک گروہ جس میں قدیم مفسرین اور قدیم طرز کے مفسرین کی بڑی اکثریت شامل ہے، اس کا یہ مطلب بیان کرتا ہے کہ "سامری نے رسول یعنی حضرت جبریل کو گزرتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اور ان کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر مٹھی اٹھا لی تھی، اور یہ اسی مٹھی کی کرامت تھی کہ جب اسے پھرے کے بت پر ڈالا گیا تو اس میں زندگی پیدا ہو گئی اور جیتے جا گئے پھرے کی سی آواز نکلنے لگی۔" حالانکہ قرآن یہ نہیں کہہ رہا ہے فی الواقع ایسا ہوا تھا۔ وہ صرف یہ کہہ رہا ہے کہ حضرت موسیٰ کی باز پرس کے جواب میں سامری نے یہ بات بنائی۔ پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مفسرین اس کو ایک امر واقعی، اور قرآن کی بیان کردہ حقیقت کیسے سمجھ بیٹھے۔

دوسرا گروہ سامری کے قول کو ایک اور ہی معنی پہناتا ہے۔ اس کی تاویل کے مطابق سامری نے دراصل یہ کہا تھا کہ "مجھے رسول، یعنی حضرت موسیٰ میں، یا ان کے دین میں وہ کمزوری نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہ آئی۔ اس لیے میں نے ایک حد تک تو اس کے نقش قدم کی پیروی کی، مگر بعد میں اسے چھوڑ دیا۔" یہ تاویل غالباً سب سے پہلے ابو مسلم اصفہانی کو سوچھی تھی، پھر امام رازی نے اس کو اپنی تفسیر میں نقل کر کے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اور اب طرز جدید کے مفسرین بالعموم اسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ لیکن یہ حضرات اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قرآن معمون اور پہلیوں کی زبان میں نازل نہیں ہوا ہے بلکہ صاف اور عام فہم عربی مبین میں نازل ہوا ہے جس کو ایک عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے کے مطابق سمجھ سکے۔ کوئی شخص جو عربی زبان کے معروف محاورے اور روزمرہ سے واقف ہو، کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ سامری کے اس مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے عربی مبین میں وہ الفاظ استعمال کیے جائیں گے جو آیت

زیر تفسیر میں پائے جاتے ہیں۔ نہ ایک عام عرب ان الفاظ کو سن کر کبھی وہ مطلب لے سکتا ہے جو یہ حضرات بیان کر رہے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں سے کسی لفظ کے وہ مختلف مفہومات تلاش کر لینا جو مختلف محاوروں میں اس سے مراد لیے جاتے ہوں۔ اور ان میں سے کسی مفہوم کو لا کر ایک ایسی عبارت میں چسپاں کر دینا جہاں ایک عام عرب اس لفظ کو ہرگز اس مفہوم میں استعمال نہ کرے گا۔ زبان دانی تو نہیں ہو سکتا، البتہ سخن سازی کا کرتب ضرور مانا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے کرتب فرہنگ آصفیہ ہاتھ میں لے کر اگر کوئی شخص خود ان حضرات کی اردو تحریروں میں، یا آکسفورڈ ڈکشنری لے کر ان کی انگریزی تحریروں میں دکھانے شروع کر دے، تو شاید اپنے کلام کی دوچار ہی تاویلیں سن کر یہ حضرات چیخ اٹھیں۔ بالعموم قرآن میں ایسی تاویلیں اس وقت کی جاتی ہیں جبکہ ایک شخص کسی آیت کے صاف اور سیدھے مطلب کو دیکھ کر اپنی دانست میں یہ سمجھتا ہے کہ یہاں تو اللہ میاں سے بڑی بے احتیاطی ہو گئی، لاؤ میں ان کی بات اس طرح بنادوں کہ ان کی غلطی کا پردہ ڈھک جائے اور لوگوں کو ان پر ہنسنے کا موقع نہ ملنے۔

اس طرز فکر کو چھوڑ کر جو شخص بھی اس سلسلہ کلام میں اس آیت کو پڑھے گا وہ آسانی کے ساتھ یہ سمجھ لے گا کہ سامری ایک فتنہ پرداز شخص تھا جس نے خوب سوچ سمجھ کر ایک زبردست مکرو弗ریب کی اسکیم تیار کی تھی۔ اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ سونے کا بچھڑا بنا کر اس میں کسی تدبیر سے بچھڑے کی سی آواز پیدا کر دی اور ساری قوم کے جاہل و نادان لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا۔ بلکہ اس پر مزید یہ جسارت بھی کی کہ خود حضرت موسیٰؑ کے سامنے ایک پر فریب داستان گھڑ کر رکھ دی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے وہ کچھ نظر آیا جو دوسروں کو نظر نہ آتا تھا، اور ساتھ ساتھ یہ افسانہ بھی گھڑ دیا کہ رسول کے نقش قدم کی ایک مشہی بھر مٹی سے یہ کرامت صادر ہوئی ہے۔ رسول سے مراد ممکن ہے کہ جبریل ہی ہوں، جیسا کہ قدیم مفسرین نے سمجھا ہے۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ اس نے رسول کا لفظ خود حضرت موسیٰؑ کے لیے استعمال کیا تھا، تو

یہ اس کی ایک اور مکاری تھی۔ وہ اس طرح حضرت موسیٰؑ کو ذہنی رشوت دینا چاہتا تھا، تاکہ وہ اسے اپنے نقش قدم کی مٹی کا کر شمہ سمجھ کر پھول جائیں اور اپنی مزید کرامتوں کا اشتہار دینے کے لیے سامری کی خدمات مستقل طور پر حاصل کر لیں۔ قرآن اس سارے معاملے کو سامری کے فریب ہی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے، اپنی طرف سے بطور واقعہ بیان نہیں کر رہا ہے کہ اس سے کوئی قباحت لازم آتی ہوا اور لغت کی کتابوں سے مدلے کر خواہ مخواہ کی سخن سازی کرنی پڑے۔ بلکہ بعد کے فقرے میں حضرت موسیٰؑ نے جس طرح اس کو پھٹکارا ہے اور اس کے لیے سزا تجویز کی ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کے گھرے ہوئے اس پر فریب افسانے کو سنتے ہی انہوں نے اس کے منہ پر مار دیا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 74 ▲

یعنی صرف یہی نہیں کہ زندگی بھر کے لیے معاشرے سے اس کے تعلقات توڑ دیے گئے اور اسے اچھوت بنانے کر کھدیا گیا۔ بلکہ یہ ذمہ داری بھی اسی پر ڈالی گئی کہ ہر شخص کو وہ خود اپنے اچھوت پن سے آگاہ کرے اور دور ہی سے لوگوں کو مطلع کرتا رہے کہ میں اچھوت ہوں، مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ بائبل کی کتاب اخبار میں کوڑھیوں کی چھوت سے لوگوں کو بچانے کے لیے جو قواعد بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ:

"اور جو کوڑھی اس بلا میں بتلا ہوا س کے کپڑے پھٹے اور اس کے سر کے بال بکھرے رہیں اور وہ اپنے اوپر کے ہونٹ کو ڈھانکے اور چلا چلا کر کہے ناپاک۔ جتنے دنوں تک وہ اس بلا میں بتلارہے وہ ناپاک رہے گا اور وہ ہے بھی ناپاک۔ پس وہ اکیلا رہے، اس کامکان لشکر گاہ کے باہر ہو۔" (باب 13۔ آیت 45-46)۔

اس سے گمان ہوتا ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے طور پر اس کو کوڑھ کے مرض میں بتلا کر دیا گیا ہو گا، یا پھر اس کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہو گی کہ جس طرح جسمانی کوڑھ کا مریض لوگوں سے الگ

کر دیا جاتا ہے اسی طرح اس اخلاقی کوڑھ کے مریض کو بھی الگ کر دیا جائے، اور یہ بھی کوڑھی کی طرح پکار پکار کر ہر قریب آنے والے کو مطلع کرتا رہے کہ میں ناپاک ہوں، مجھے نہ چھونا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 75 ▲

موسیٰ کا قصہ ختم کر کے اب پھر تقریر کا رخ اس مضمون کی طرف مرتا ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک مرتبہ پلٹ کر سورہ کی ان ابتدائی آیات کو پڑھ لیجئے جن کے بعد یہاں ایک حضرت موسیٰ کا قصہ شروع ہو گیا تھا۔ اس سے آپ کی سمجھ میں اچھی طرح یہ بات آجائے گی کہ سورہ کا اصل موضوع بحث کیا ہے، پیچ میں قصہ موسیٰ کس لیے بیان ہوا ہے۔ اور اب قصہ ختم کر کے کس طرح تقریر اپنے موضوع کی طرف پلٹ رہی ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 76 ▲

یعنی یہ قرآن، جس کے متعلق آغاز سورہ میں کہا گیا تھا کہ یہ کوئی ان ہونا کام تم سے لینے اور تم کو بیٹھانے ایک مشقت میں مبتلا کر دینے کے لیے نازل نہیں کیا گیا ہے، یہ تو ایک یاد دہانی اور نصیحت (تذکرہ) ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے دل میں خدا کا کچھ خوف ہو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 77 ▲

اس میں پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ جو شخص اس درس نصیحت، یعنی قرآن سے منہ موڑے گا اور اس کی ہدایت و رہنمائی قبول کرنے سے انکار کرے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، محمد ﷺ اور ان کے سچیجنے والے خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ اس کی یہ حماقت دراصل اس کی خود اپنے ساتھ دشمنی ہو گی۔ دوسری بات یہ بتائی گئی کہ کوئی شخص، جس کو قرآن کی یہ نصیحت پہنچ اور پھر وہ اسے قبول کرنے سے پہلو تھی کرے، آخرت میں سزا پانے سے بچ نہیں سکتا۔ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ کسی قوم، کسی ملک، کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ جب تک یہ قرآن دنیا میں موجود ہے، جہاں جہاں، جس جس ملک اور قوم کے، جس

شخص کو بھی یہ پہنچے گا، اس کے لیے دو ہی راستے کھلے ہوں گے۔ تیسرا کوئی راستہ نہ ہو گا۔“ یا تو اس کو مانے اور اس کی پیروی اختیار کرے۔ یا اس کو نہ مانے اور اس کی پیروی سے منہ موڑ لے۔ پہلا راستہ اختیار کرنے والے کا انجام آگے آ رہا ہے۔ اور دوسرا راستہ اختیار کرنے والے کا انجام یہ ہے جو اس آیت میں بتا دیا گیا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 78 ▲

صور، یعنی نر سنگھا، قرناء، یا بوق۔ آج کل اسی چیز کا قائم مقام بگل ہے جو فوج کو جمع یا منتشر کرنے اور ہدایات دینے کے لیے بجا یا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے نظم کو سمجھانے کے لیے وہ الفاظ اور اصطلاحیں استعمال فرماتا ہے جو خود انسانی زندگی میں اسی سے ملتے جلتے نظم کے لیے استعمال ہوتی ہیں ان الفاظ اور اصطلاحوں کے استعمال سے مقصود ہمارے تصور کو اصل چیز کے قریب لے جانا ہے، نہ یہ کہ ہم سلطنت الہی کے نظم کی مختلف چیزوں کو بعینہ ان محدود معنوں میں لے لیں، اور ان محدود صورتوں کی چیزیں سمجھ لیں جیسی کہ وہ ہماری زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ قدیم زمانے سے آج تک لوگوں کو جمع کرنے اور اہم باتوں کا اعلان کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ایسی چیز پھونکی جاتی رہی ہے جو صور یا بگل سے ملتی جلتی ہو۔ اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ ایسی ہی ایک چیز قیامت کے روز پھونکی جائے گی جس کی نوعیت ہمارے نر سنگھے کی سی ہو گی۔ ایک دفع وہ پھونکی جائے گی اور سب پر موت طاری ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ پھونکنے پر سب جی اٹھیں گے اور زمین کے ہر گوشے سے نکل کر میدان حشر کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، الحمل، حاشیہ 106)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 79 ▲

اصل میں لفظ "زُرْقًا" استعمال ہوا ہے جو آزرق کی جمع ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ لوگ خود آزرق (سفیدی مائل نیلگوں) ہو جائیں گے کیونکہ خوف و دہشت کے مارے ان کا خون خشک ہو جائے گا اور ان کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ گویا ان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں نے اس لفظ کو ارزق العین (کرنجی آنکھوں والے) کے معنی میں لیا ہے اور وہ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ شدت ہول سے ان کے دیدے پتھرا جائیں گے۔ جب کسی شخص کی آنکھ بے نور ہو جاتی ہے تو اس کے حد تھم کارنگ سفید پڑ جاتا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 80 ▲

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "موت" کے بعد سے اس وقت تک تم کو مشکل ہی سے دس دن گزرے ہوں گے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز لوگ اپنی دنیوی زندگی کے متعلق بھی یہ اندازہ لگائیں گے کہ وہ بہت تھوڑی تھی، اور موت سے لے کر قیامت تک جو وقت گزرا ہو گا اس کے متعلق بھی ان کے اندازے کچھ ایسے ہی ہوں گے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے قلَ كُمْ

لِيَشْتُمُ فِي الْأَرْضِ عَدَادَ سِنِينَ ○ قَالُوا إِنَّا يَوْمًا أُو بَعْضَ يَوْمِ فَسْئَلِ الْعَادِينَ ○

"اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟ وہ جواب دیں گے ایک دن یا دن کا ایک حصہ رہے ہوں گے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لجیے" (المونون آیات 112-113)۔ دوسری جگہ فرمایا جاتا ہے:

**وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ لَمَا لَيْثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذِلِكَ كَانُوا
مُؤْفَكُونَ ○ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَيْثُمُ فِي كِتَبِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثَةِ**

فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثٍ وَلَكُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝" اور جس روز قیامت قائم ہو جائے گی تو مجرم لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم (موت کی حالت میں) ایک گھٹری بھر سے زیادہ نہیں پڑے رہے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا میں بھی دھوکے کھاتے رہتے تھے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ کتاب اللہ کی رو سے تو تم یوم البعث تک پڑے رہے ہو اور یہ وہی یوم البعث ہے، مگر تم جانتے نہ تھے " (الروم۔ آیات 55-56)۔ ان مختلف تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور برزخ کی زندگی، دونوں ہی کو وہ بہت قلیل سمجھیں گے۔ دنیا کی زندگی کے متعلق وہ اس لیے یہ بتیں کریں گے کہ اپنی امیدوں کے بالکل خلاف جب انہیں آخرت کی ابدی زندگی میں آنکھیں کھولنی پڑیں گی، اور جب وہ دیکھیں گے کہ یہاں کے لیے وہ کچھ بھی تیاری کر کے نہیں آئے ہیں، تو انہتا درجہ کی حسرت کے ساتھ وہ اپنی دنیوی زندگی کی طرف پلٹ کر دیکھیں گے اور کف افسوس ملیں گے کہ چار دن کے لطف و مسرت اور فائدہ و لذت کی خاطر ہم نے ہمیشہ کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ موت کے بعد سے قیامت تک کا وقت انہیں اس لیے تھوڑا نظر آئے گا کہ زندگی بعد موت کو وہ دنیا میں غیر ممکن سمجھتے تھے اور قرآن کے بتائے ہوئے عالم آخرت کا جغرافیہ کبھی سنجیدگی کے ساتھ ان کے ذہن میں اتراءی نہ تھا۔ یہ تصورات لیے ہوئے دنیا میں احساس و شعور کی آخری ساعت انہوں نے ختم کی تھی۔ اب جو اچانک وہ آنکھیں ملتے ہوئے دوسری زندگی میں بیدار ہوں گے اور دوسرے ہی لمحے اپنے آپ کو ایک بغل یا نر سنگھ کی آواز پر مارچ کرتے پائیں گے تو وہ شدید گہراہٹ کے ساتھ اندازہ لگائیں گے کہ فلاں ہسپتال میں بیہوش ہونے یا فلاں جہاز میں ڈوبنے یا فلاں مقام پر حادثہ سے دوچار ہونے کے بعد سے اس وقت تک آخر کتنا وقت لگا ہو گا۔ ان کی کھوپڑی میں اس وقت یہ بات سمائے گی ہی نہیں کہ دنیا میں وہ جاں بحق ہو چکے تھے اور اب یہ وہی دوسری زندگی ہے جسے پیغم بالکل لغوبات کہہ کر ٹھٹھوں میں اڑا دیا کرتے تھے۔ اس لیے ان میں سے ہر

ایک یہ سمجھے گا کہ شاید میں چند گھنٹے یا چند دن بے ہوش پڑا رہا ہوں، اور اب شاید ایسے وقت مجھے ہوش آیا ہے یا ایسی جگہ اتفاق سے پہنچ گیا ہوں جہاں کسی بڑے حادثہ کی وجہ سے لوگ ایک طرف کو بھاگے جا رہے ہیں۔ بعید نہیں کہ آج کل کے مرنے والے صاحب لوگ صور کی آواز کو کچھ دیر تک ہوائی حملے کا سارے نہیں سمجھتے رہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 81 ▲

یہ جملہ مفترضہ ہے جو دوران تقریر میں سامعین کے اس شے کو رفع کرنے کے لیے ارشاد ہوا ہے کہ آخر اس وقت میدان حشر میں بھاگتے ہوئے لوگ چکے چکے جو باقیں کریں گے وہ آج یہاں کیسے بیان ہو رہی ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّ نَسْفًا ﴿١٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفَصَفًا ﴿١٦﴾ لَا تَرَى
 فِيهَا عِوْجًا وَلَا آمُتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ إِذَا يَتَبَعَّونَ الدَّاعِيَ لَا عِوْجَ لَهُ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ
 لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٨﴾ يَوْمَ إِذَا لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَ
 رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفُهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿٢٠﴾ وَعَنَتِ
 الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿٢١﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصِّلْحَاتِ وَهُوَ
 مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْسًا ﴿٢٢﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ
 الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَقْوُنَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿٢٣﴾ فَتَعْلَمَ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ
 بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ عَهَدْنَا إِلَيْكَ
 مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿٢٥﴾

دکو٦

یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر اس دن یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے؟ کہو کہ میر ارب ان کو دھول بنانے کے اڑادے گا اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنادے گا کہ اس میں تم کوئی بل اور سلوٹ نہ دیکھو گے⁸²۔ اس روز سب لوگ منادی کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے، کوئی ذرا اکڑنہ دکھا سکے گا۔ اور آوازیں رحمن کے آگے دب جائیں گی، ایک سرسر اہٹ⁸³ کے سوا تم کچھ نہ سُنو گے۔ اس روز شفاعت کا رگرنہ ہو گی⁸⁴ ایسا کسی کو رحمن اس کی اجازت دے اور اس کی بات سُننا پسند کرے⁸⁵۔ وہ لوگوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے اور دوسروں کو اس کا پورا علم نہیں ہے⁸⁶۔ لوگوں کے سر اس حی و قیوم کے آگے جھٹک جائیں گے۔ نامرا در ہو گا جو اس وقت کسی ظلم کا بارگناہ اٹھائے ہوئے ہو۔ اور کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہ ہو گا اس شخص کو جو نیک عمل کرے اور اس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو۔⁸⁷

اور اے محمد ﷺ، اسی طرح ہم نے اسے قرآن عربی بنانے کیا ہے⁸⁸ اور اس میں طرح طرح سے تنبیہات کی ہیں شاید کہ یہ لوگ کچھ روی سے بچپن یا ان میں کچھ ہو کے آثار اس کی بدولت پیدا ہوں۔⁸⁹

پس بالا و برتر ہے اللہ، پادشاہ حقیقی۔⁹⁰

اور دیکھو، قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اس کی وحی تکمیل کونہ پہنچ جائے، اور دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر۔⁹¹

ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا،⁹² مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔⁹³

سورة طہ حاشیہ نمبر: 82 ▲

یہ بھی جملہ مفترضہ ہے جو دوران تقریر میں کسی سامع کے سوال پر ارشاد ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ سورت ایک الہامی تقریر کے انداز میں سنائی جا رہی ہو گی اس وقت کسی نے مذاق اڑانے کے لیے یہ سوال اٹھایا ہو گا کہ قیامت کا جو نقشہ آپ کھینچ رہے ہیں اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے لوگ کسی ہموار میدان میں بھاگے چلے جا رہے ہوں گے۔ آخر یہ بڑے بڑے پہاڑ اس وقت کہاں چلے جائیں گے؟ اس سوال کا موقع سمجھنے کے لیے اس ماحول کو نگاہ میں رکھیے جس میں یہ تقریر کی جا رہی تھی۔ مکہ جس مقام پر واقع ہے اس کی حالت ایک حوض کی سی ہے جس کے چاروں طرف اوپنچے اوپنچے پہاڑ ہیں۔ سائل نے انہی پہاڑوں کی طرف اشارہ کر کے یہ بات کہی ہو گی۔ اور وحی کے اشارہ سے جواب بر ملا اسی وقت یہ دے دیا گیا کہ یہ پہاڑ کوٹ پیٹ کر اس طرح ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے جیسے ریت کے ذرے، اور ان کو دھول کی طرح اڑا کر ساری زمین ایک ایسی ہموار میدان بنادی جائے گی کہ اس میں کوئی اوپنچ پیچ نہ رہے گی، کوئی نشیب و فراز نہ ہو گا، اس کی حالت ایک ایسے صاف فرش کی سی ہو گی جس میں ذرا سابل اور کوئی معمولی سی سلوٹ تک نہ ہو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 83 ▲

عالم آخرت میں زمین کی جو نئی شکل بنے گی اسے قرآن مجید میں مختلف موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ سورہ الشقاق میں فرمایا: **إِذَا لَأَرْضُ مُدَّتْ** "زمین پھیلا دی جائے گی"۔ سورہ انفطار میں فرمایا **إِذَا الْبَحَارُ** **فُجِّرَتْ** "سمندر پھاڑ دیے جائیں گے" جس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ سمندروں کی تھیں پھٹ جائیں گی اور سارا پانی زمین کے اندر اتر جائے گا سورہ تکویر میں فرمایا **إِذَا الْبَحَارُ سُجَّرَتْ** "سمندر بھرد دیے جائیں گے" یا پاٹ دیے جائیں گے۔ اور یہاں بتایا جا رہا ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے ساری زمین ایک ہموار

میدان کی طرح کر دی جائے گی۔ اس سے جو شکل ذہن میں بنتی ہے وہ یہ ہے کہ عالم آخرت میں یہ پورا کرہ زمین سمندروں کو پاٹ کر، پہاڑوں کو توڑ کر، نشیب و فراز کو ہموار اور جنگلوں کو صاف کر کے بالکل ایک گیند کی طرح بنادیا جائے گا۔ یہی وہ شکل ہے جس کے متعلق سورہ ابراہیم آیت 48 میں فرمایا یوْمَ تُبَدِّلُ الْأَرْضُ غَيْرُ الْأَرْضِ، "وہ دن جبکہ زمین بدل کر کچھ سے کچھ کر دی جائے گی۔" اور یہی زمین کی وہ شکل ہو گی جس پر حشر قائم ہو گا اور اللہ تعالیٰ عدالت فرمائے گا۔ پھر اس کی آخری اور دائمی شکل وہ بنادی جائے گی جس کو سورہ زمر آیت 74 میں یوں بیان فرمایا گیا ہے وَ قَالُوا لِهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِيلِينَ ۝ یعنی متقدی لوگ "کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے اپنے وعدے پورے کیے اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا، ہم اس جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بناسکتے ہیں۔ پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخر کار یہ پورا کرہ جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بناسکتے ہیں۔ پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے "اس سے معلوم ہوا کہ آخر کار یہ پورا کرہ جنت بنادیا جائے گا اور خدا کے صالح و متقدی بندے اس کے وارث ہوں گے۔ اس وقت پوری زمین ایک ملک ہو گی۔ پہاڑ، سمندر، دریا، صحراء، جو آج زمین کو بے شمار ملوں اور وطنوں میں تقسیم کر رہے ہیں، اور ساتھ ساتھ انسانیت کو بھی بانتے دے رہے ہیں، سرے سے موجود ہی نہ ہوں گے۔ (واضح رہے کہ صحابہ و تابعین میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قادہؓ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جنت اسی زمین پر ہو گی، اور سورہ نجم کی آیت عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَیِ ۝ کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جنت ہے جس میں اب شہداء کی ارواح رکھی جاتی ہیں)

سورة طہ حاشیہ نمبر: 84 ▲

اصل میں لفظ "ہمس" استعمال ہوا ہے، جو قدموں کی آہٹ، چپکے چپکے بولنے کی آواز، اونٹ کے چلنے کی آواز اور ایسی ہی ہلکی آوازوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہاں کوئی آواز، بجز چلنے والوں کے قدموں کی آہٹ اور چپکے چپکے بات کرنے والوں کی کھسر پر کے نہیں سنی جائے گی۔ ایک پرہیبت سماں بندھا ہوا ہو گا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 85 ▲

اس آیت کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو متن میں کیا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ "اس روز شفاعت کا رگرنہ ہو گی الایہ کہ کسی کے حق میں رحمان اس کی اجازت دے اور اس کے لیے بات سننے پر راضی ہو"۔ الفاظ ایسے جامع ہیں جو دونوں مفہوموں پر حاوی ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قیامت کے روز کسی کو دم مارنے تک کی جرأت نہ ہو گی کجا کہ کوئی سفارش کے لیے بطور خود زبان کھول سکے۔ سفارش وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ بولنے کی اجازت دے، اور اسی کے حق میں کر سکے گا جس کے لیے بارگاہ اللہی سے سفارش کرنے کی اجازت مل جائے۔ یہ دونوں باتیں قرآن میں متعدد مقامات پر کھول کر بتا دی گئی ہیں۔ ایک طرف فرمایا مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ^٦ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے" (بقرہ۔ آیت 255)۔ اور يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلِئَكُ صَفَّاً لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أُذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا^٧ "وہ دن جبکہ روح اور ملائکہ سب صاف بستے کھڑے ہوں گے، ذرا بات نہ کریں گے، صرف وہی بول سکے گا جسے رحمان اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے" (النبا۔ آیت 38)۔ دوسری طرف ارشاد ہوا وَ لَا يَشْفَعُونَ^٨ إِلَّا لِمَنْ أَرْتَضَى وَ هُمْ مِنْ

خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ ○ "اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس شخص کے جس کے حق میں سفارش سننے پر (رحمان) راضی ہو، اور وہ اس کے خوف سے ڈرے ڈرے رہتے ہیں" (الأنبیاء۔ آیت 28)۔ اور **كَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَرْضِي ○** "کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی بجز اس صورت کے کہ اللہ سے اجازت لینے کے بعد کی جائے اور ایسے شخص کے حق میں کی جائے جس کے لیے وہ سفارش سننا چاہے اور پسند کرے" (النجم، آیت 26)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 86

یہاں وجہ بتائی گئی ہے کہ شفاعت پر یہ پابندی کیوں ہے۔ فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء، کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا کہ کس کاریکار ڈکیسا ہے، کون دنیا میں کیا کرتا رہا ہے، اور اللہ کی عدالت میں کس سیرت و کردار اور کیسی کیسی ذمہ داریوں کے بارے کر آیا ہے۔ اس کے بر عکس اللہ کو ہر ایک کے پچھلے کارناموں اور کرتوں کا بھی علم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اس کا موقف کیا ہے۔ نیک ہے تو کیسانیک ہے اور مجرم ہے تو کس درجے کا مجرم ہے۔ معافی کے قابل ہے یا نہیں۔ پوری سزا کا مستحق ہے یا تحفیف اور رعایت بھی اس کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء اور صلحاء کو سفارش کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے۔ ایک معمولی افسر اپنے ذرا سے محکمے میں اگر اپنے ہر دوست یا عزیز کی سفارشیں سننے لگے تو چار دن میں سارے محکمے کا ستیانس کر کے رکھ دے گا۔ پھر بھلاز میں و آسمان کے فرمازوں سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے ہاں سفارشوں کا بازار گرم ہو گا، اور ہر بزرگ جا جا کر جس کو چاہیں گے بخشوalaں میں گے، درآنjalیکہ ان

میں سے کسی بزرگ کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ جن لوگوں کی سفارش وہ کر رہے ہیں ان کے نامہ اعمال کیسے ہیں۔ دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساس ذمہ داری رکھتا ہے اس کی روشن یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصور و ارماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور، نافرض شناس، رشوت خوار اور خلق خدا کو تنگ کرنے والا ہے، میں اس کے کرتوں سے واقف ہوں، اس لیے آپ براہ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ اسی چھوٹی سی مثال پر قیاس کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں شفاعت کے متعلق جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ کس قدر صحیح، معقول اور منی بر انصاف ہے۔ خدا کے ہاں شفاعت کا دروازہ بند نہ ہو گا۔ نیک بندے، جو دنیا میں خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کا بر تاؤ کرنے کے عادی تھے، انہیں آخرت میں بھی ہمدردی کا حق ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ لیکن وہ سفارش کرنے سے پہلے اجازت طلب کریں گے، اور جس کے حق میں اللہ تعالیٰ انہیں بولنے کی اجازت دے گا صرف اسی کے حق میں وہ سفارش کر سکیں گے۔ پھر سفارش کے لیے بھی شرط یہ ہو گی کہ وہ مناسب اور منی بر حق ہو، جیسا کہ: **وَقَالَ صَوَابًا** (اور بات ٹھیک کہے) کا ارشادربانی صاف بتا رہا ہے۔ بوگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہو گی کہ ایک شخص دنیا میں سینکڑوں، ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو اور کوئی بزرگ اٹھ کر سفارش کر دیں کہ حضور اسے انعام سے سرفراز فرمائیں یہ میرا خاص آدمی ہے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 87

یعنی وہاں فیصلہ ہر انسان کے اوصاف (Merits) کی بنیاد پر ہو گا۔ جو شخص کسی ظلم کا بارگناہ اٹھائے ہوئے آئے گا، خواہ اس نے ظلم اپنے خدا کے حقوق پر کیا ہو، یا خلق خدا کے حقوق پر، یا خود اپنے نفس پر، بہر حال یہ چیز اسے کامیابی کا منہ نہ دیکھنے دے گی۔ دوسری طرف جو لوگ ایمان اور عمل صالح (محض عمل صالح)

نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح، اور محض ایمان بھی نہیں بلکہ عمل صالح کے ساتھ ایمان) لیے ہوئے آئیں گے، ان کے لیے وہاں نہ تو اس امر کا کوئی اندیشہ ہے کہ ان پر ظلم ہو گا۔ یعنی خواہ مخواہ بے قصور ان کو سزا دی جائے گی، اور نہ اسی امر کا کوئی خطرہ ہے کہ ان کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جائے گا اور ان کے جائز حقوق مار کھائے جائیں گے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 88

یعنی ایسے ہی مضامین اور تعلیمات اور نصائح سے لبریز۔ اس کا اشارہ ان تمام مضامین کی طرف ہے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں، نہ کہ محض قربی مضمون کی طرف جو اوپر والی آیات میں بیان ہوا ہے۔ اور اس کا سلسلہ بیان ان آیات سے جڑتا ہے جو قرآن کے متعلق آغاز سورہ اور پھر قصہ موسیٰؐ کے اختتام پر ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ "تذکرہ" جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، اور وہ "ذکر" جو ہم نے خاص اپنے ہاں سے تم کو عطا کیا ہے، اس شان کا تذکرہ اور ذکر ہے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 89

یعنی اپنی غفلت سے چونکیں، بھولے ہوئے سبق کو یاد کریں، اور ان کو کچھ اس امر کا احساس ہو کہ کن را ہوں میں بھٹکے چلے جا رہے ہیں اور اس گمراہی کا انجام کیا ہے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 90

اس طرح کے فقرے قرآن میں بالعموم ایک تقریر کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمائے جاتے ہیں، اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ کلام کا خاتمه اللہ تعالیٰ کی حمد و شنا پر ہو۔ انداز بیان اور سیاق و سباق پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں ایک تقریر ختم ہو گئی ہے اور **وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَيْ أَدَمَ** سے دوسری تقریر شروع ہوتی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ دونوں تقریریں مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہوں گی اور بعد میں نبی ﷺ

نے حکم الہی کے تحت ان کو ایک سورہ میں جمع کر دیا ہو گا۔ جمع کرنے کی وجہ دونوں کے مضمون کی مناسبت ہے جس کو ابھی ہم واضح کریں گے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 91 ▲

فَتَعْلَمَ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ پر تقریر ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد رخصت ہوتے ہوئے فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات پر خبردار کرتا ہے جو وحی نازل کرنے کے دوران میں اس کے مشاہدے میں آئی۔ پیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا گیا، اس لیے پیغام کی ترسیل مکمل کرنے کے بعد اب وہ اس کا نوٹس لے رہا ہے۔ بات کیا تھی جس پر یہ تنبیہ کی گئی، اسے خود تنبیہ کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے اور زبان سے دہرانے کی کوشش فرمار ہے ہوں گے۔ اس کوشش کی وجہ سے آپ ﷺ کی توجہ بار بار بڑ جاتی ہو گی۔ سلسلہ اخذ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہو گا۔ پیغام کی ساعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہو گی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ ﷺ کو پیغام وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے، اور پیچ پیچ میں یاد کرنے کی کوشش جو آپ ﷺ کرتے ہیں اس سے منع کر دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ طہ کا یہ حصہ ابتدائی زمانے کی وحیوں میں سے ہے۔ ابتدائی زمانہ میں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اخذ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی، آپ ﷺ سے کئی مرتبہ یہ فعل سرزد ہوا ہے اور ہر موقع پر کوئی نہ کوئی فقرہ اس پر آپ ﷺ کو متنبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ سورہ قیامہ کے نزول کے موقع پر بھی یہی ہوا تھا اور اس پر سلسلہ کلام کو توڑ کر آپ ﷺ کو ٹوکا گیا کہ **لَا تُخْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَسْعَجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَةً وَ قُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا**

قرآنہ فاتیحہ قرآنہ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾ اسے یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو بار بار حرکت نہ دو، اسے یاد کر ادینا اور پڑھوادینا ہمارے ذمہ ہے، لہذا جب ہم اسے سنارہے ہوں تو غور سے سنتے رہو، پھر اس کا مطلب سمجھادینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ "سورہ اعلیٰ میں بھی آپ ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ہم اسے پڑھوادیں گے اور آپ ﷺ بھولیں گے نہیں **سُنْقُرِئُكَ فَلَا تَنْسَى**۔ بعد میں جب آپ ﷺ کو پیغامات و حجی وصول کرنے کی اچھی مہارت حاصل ہو گئی تو اس طرح کی کیفیات آپ ﷺ پر طاری ہونی بند ہو گئیں۔ اسی وجہ سے بعد کی سورتوں میں ایسی کوئی تنبیہ ہمیں نہیں ملتی۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 92

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے، یہاں سے ایک الگ تقریر شروع ہوتی ہے جو اغلباً اوپر والی تقریر کے بعد کسی وقت نازل ہوئی ہے اور مضمون کی مناسبت سے اس کے ساتھ ملا کر ایک ہی سورہ میں جمع کر دی گئی ہے۔ مضمون کی مناسبتیں متعدد ہیں۔ مثلاً یہ کہ:

(1) وہ بھولا ہوا سبق جسے قرآن یاد دلارہا ہے وہی سبق ہے جو نوع انسانی کو اس کی پیدائش کے آغاز میں دیا گیا تھا اور جسے یاد دلاتے رہنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا، اور جسے یاد دلانے کے لیے قرآن سے پہلے بھی بار بار "ذکر" آتے رہے ہیں۔

(2) انسان اس سبق کو بار بار شیطان کے بھرا نے سے بھولتا ہے، اور یہ کمزوری وہ آغاز آفرینش سے برابر دکھارہا ہے۔ سب سے پہلی بھول اس کے اولین ماں باپ کو لاحق ہوئی تھی اور اس کے بعد سے اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، اسی لیے انسان اس کا محتاج ہے کہ اس کو پیغم یاد دہانی کرائی جاتی رہے۔

(3) یہ بات کہ انسان کی سعادت و شقاوت کا انحصار بالکل اس بر تاؤ پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس "ذکر" کے ساتھ وہ کرے گا، آغاز آفرینش ہی میں صاف صاف بتادی گئی تھی آج یہ کوئی نئی بات نہیں کہی

جاری ہے کہ اس کی پیروی کرو گے تو مگر اسی وبد بختی سے محفوظ رہو گے ورنہ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلا ہے مصیبت ہو گے۔

(4) ایک چیز ہے بھول اور عزم کی کمی اور ارادے کی کمزوری جس کی وجہ سے انسان اپنے ازلی دشمن شیطان کے بہکائے میں آجائے اور غلطی کر بیٹھے۔ اس کی معافی ہو سکتی ہے بشرطیکہ انسان غلطی کا احساس ہوتے ہی اپنے رویے کی اصلاح کر لے اور انحراف چھوڑ کر اطاعت کی طرف پلٹ آئے۔ دوسری چیز ہے وہ سرکشی اور سرتابی اور خوب سوچ سمجھ کر اللہ کے مقابلے میں شیطان کی بندگی جس کا ارتکاب فرعون اور سامری نے کیا۔ اس چیز کے لیے معافی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کا انعام وہی ہے جو فرعون اور سامری نے دیکھا اور یہ انعام ہر وہ شخص دیکھے گا جو اس روشن پر چلے گا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 93

آدم علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے سورہ بقرہ، سورہ اعراف (دو مقامات پر)، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کھف میں گزر چکا ہے۔ یہ ساتواں موقع ہے جبکہ اسے دھرا یا جارہا ہے۔ ہر جگہ سلسلہ بیان سے اس کی مناسبت الگ ہے اور ہر جگہ اسی مناسبت کے لحاظ سے قصہ کی تفصیلات مختلف طریقے سے بیان کی گئی ہیں۔ قصہ کے جو اجزاء ایک جگہ کے موضوع بحث سے مناسبت رکھتے ہیں وہ اسی جگہ بیان ہوئے ہیں، دوسری جگہ وہ نہ ملیں گے، یا طرز بیان ذرا مختلف ہو گا۔ پورے قصہ کو اور اس کی پوری معنویت کو سمجھنے کے لیے ان تمام مقامات پر نگاہ ڈال لینی چاہیے۔ ہم نے ہر جگہ اس کے ربط و تعلق اور اس سے نکلنے والے نتائج کو اپنے حواشی میں بیان کر دیا ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 94

یعنی اس نے بعد میں اس حکم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اشکبار اور قصدی و ارادی سرکشی کی بنابر نہ تھا بلکہ غفلت اور بھول میں پڑ جانے اور عزم و ارادے کی کمزوری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تھا۔ اس نے حکم کی

خلاف ورزی کچھ اس خیال اور نیت کے ساتھ نہیں کی تھی کہ میں خدا کی کیا پرواکرتا ہوں، اس کا حکم ہے تو ہوا کرے، جو کچھ میرا جی چاہے گا کروں گا، خدا کون ہوتا ہے کہ میرے معاملات میں دخل دے۔ اس کے بجائے اس کی نافرمانی کا سبب یہ تھا کہ اس نے ہمارا حکم یاد رکھنے کی کوشش نہ کی، بھول گیا کہ ہم نے اسے کیا سمجھایا تھا، اور اس کے ارادے میں اتنی مضبوطی نہ تھی کہ جب شیطان اسے بہکانے آیا اس وقت وہ ہماری پیشگی تنبیہ اور نصیحت و فہمائش کو (جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے) یاد کرتا اور اس کے دیے ہوئے لائق کا سختی کے ساتھ مقابلہ کرتا۔

بعض لوگوں نے "اس نے عزم نہ پایا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ "ہم نے اس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا"، یعنی اس نے جو کچھ کیا بھولے سے کیا، نافرمانی کے عزم کی بنا پر نہیں کیا۔ لیکن یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ بات اگر کہنی ہوتی تو **لَمْ تَؤْمِنُ**

نَجِدَلَهُ عَزْمًا عَلَى الْعِصْيَانِ ^۶ کہا جاتا ہے کہ محض **لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** آیت کے الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ فقد ان عزم سے مراد اطاعت حکم کے عزم کا فقدان ہے، نہ کہ نافرمانی کے عزم کا فقدان۔ علاوہ بریں اگر موقع و محل اور سیاق و سبق کی مناسبت کو دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہ قصہ بیان نہیں کر رہا ہے، بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ بشری کمزوری کیا تھی جس کا صدور ان سے ہوا اور جس کی بدولت صرف وہی نہیں بلکہ ان کی اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی پیشگی تنبیہات کے باوجود اپنے دشمن کے پھندے میں پھنسنی اور پھنسنی رہی ہے۔ مزید برا، جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اس کے ذہن میں پہلا مفہوم یہی آئے گا کہ "ہم نے اس میں اطاعت امر کا عزم، یا مضبوط ارادہ نہ پایا"۔ دوسرا مفہوم اس کے ذہن میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کو نامناسب سمجھ کر آیت کے کسی اور معنی کی تلاش شروع نہ کر دے۔ یہی رائے علامہ آلوسی نے بھی اس موقع پر اپنی تفسیر میں ظاہر فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں لکن لا یخفی علیک ان هذا التفسیر غير متبادر ولا کثیر المناسبة للذیقام ^۷ مگر تم سے یہ بات پوشیدہ نہ ہو گی کہ یہ تفسیر آیت کے الفاظ سن کر فوراً ذہن میں نہیں آتی اور نہ موقع و محل کے ساتھ کچھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔"

(ملاحظہ ہو روح المعانی۔ جلد 16۔ صفحہ 243)۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلملِكَةِ اسْجُدْوا لِأَدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسٌ طَّ أَبِي ﴿١٣﴾ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا
عَدُوُّكَ وَلِنَزُوكَ فَلَا يُخْرِجُنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقِي ﴿١٤﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَحْوِعَ فِيهَا وَلَا تَعْرِي
وَأَنَّكَ لَا تَظْمَئُ فِيهَا وَلَا تَضْحَى ﴿١٥﴾ فَوَسَوَّسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَنُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدْلُكَ
عَلَى شَجَرَةِ الْخَلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلِي ﴿١٦﴾ فَأَكَلَ مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْا تَهْمَما وَطَفِقَا يَخْصِفُونَ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ﴿١٧﴾ ثُمَّ اجْتَبَهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ
هَدَى ﴿١٨﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِيَعْضِ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَا تِينَكُمْ مِنْيَ
هُدَى لِمَنِ اتَّبَعَ هُدَائِي فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقِي ﴿١٩﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْسَى ﴿٢٠﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْسَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا
قَالَ كَذِيلَكَ أَتَتْكَ أَيْتَنَا فَنَسِيَتَهَا وَكَذِيلَكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ﴿٢١﴾ وَكَذِيلَكَ نَجْزِي مَنْ
أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِأَيْتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ﴿٢٢﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كُمْ
أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسِكِنِهِمْ طَّ أَنَّ فِي ذِيلَكَ لَا يَتِ لاؤِي النُّنْهَى ﴿٢٣﴾

رکو ۶ >

یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ وہ سب تو سجدہ کر گئے، مگر ایک ابلیس تھا کہ انکار کر بیٹھا۔ اس پر ہم نے آدم ⁹⁵ سے کہا کہ ”دیکھو، یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ⁹⁶، ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوادے ⁹⁷ اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہاں تو تمہیں یہ آزمائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے ننگے رہتے ہو، نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے۔ ⁹⁸“ لیکن شیطان نے اس کو پھسلا�ا۔ ⁹⁹ کہنے لگا ”آدم، بتاؤ تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے؟ ¹⁰⁰“ آخر کار دونوں ﴿میاں بیوی﴾ اُس درخت کا پھل کھا گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی اُن کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل گئے اور لگے دونوں اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے۔ ¹⁰¹ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔ ¹⁰² پھر اُس کے رب نے اُسے برگزیدہ کیا ¹⁰³ اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت بخشی۔ ¹⁰⁴ اور فرمایا ”تم دونوں ﴿فُرِيق، یعنی انسان اور شیطان﴾ یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اُس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بد بختشی میں بُتلا ہو گا۔ اور جو میرے ”ذکر“ ﴿درس نصیحت﴾ سے منہ موڑے گا اُس کے لیے دُنیا میں تنگ زندگی ہو گی ¹⁰⁵ اور قیامت کے روز ہم اسے انداھا اٹھائیں گے۔ ¹⁰⁶ ”..... وہ کہے گا ”پروردگار، دُنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا، یہاں مجھے انداھا کیوں اٹھایا؟“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”ہاں، اسی طرح تو ہماری آیات کو، جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں، تو نے بھلا دیا تھا۔ اسی طرح آج تو بھلا دیا جا رہا ہے۔ ¹⁰⁷“ اس طرح ہم حد سے گزرنے والے اور اپنے رب کی

آیات نہ ماننے والے کو دُنیا میں بدلہ دیتے ہیں، **108** اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دریپا ہے۔

پھر کیا ان لوگوں کو **109** تاریخ کے اس سبق سے کوئی ہدایت نہ ملی کہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کی برباد شدہ بستیوں میں آج یہ چلتے پھرتے ہیں؟ درحقیقت اس میں **110** بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھنے والے ہیں۔ ۶۷

سورة طہ حاشیہ نمبر: 95

یہاں وہ اصل حکم بیان نہیں کیا گیا ہے جو آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا، یعنی یہ کہ "اس خاص درخت کا پھل نہ کھانا"۔ وہ حکم دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں بیان ہو چکا ہے۔ اس مقام پر چونکہ بتانے کی اصل چیز صرف یہ ہے کہ انسان کس طرح اللہ تعالیٰ کی پیشگی تنبیہ اور فہمائش کے باوجود اپنے جانے بوجھے دشمن کے انغو سے متاثر ہو جاتا ہے، اور کس طرح اس کی یہی کمزوری اس سے وہ کام کر لیتی ہے جو اس کے اپنے مفاد کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصل حکم کا ذکر کرنے کے بعد یہاں اس فہمائش کا ذکر کیا ہے جو اس حکم کے ساتھ حضرت آدم کو کی گئی تھی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 96

دشمنی کا مظاہرہ اسی وقت ہو چکا تھا۔ آدم اور حوا علیہما السلام خود دیکھ چکے تھے کہ ابلیس نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا ہے اور صاف صاف یہ کہہ کر کیا ہے کہ **أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ** "میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے" (اعراف۔ آیت 12۔ ص۔ آیت 76)۔ **أَرَعِيَتَكَ هذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ** "ذرادیکھ تو سہی یہ ہے وہ ہستی جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے" **إِنَّمَا سُجْدُكَ مِنْ خَلْقَتَ طِينًا** "اب کیا میں اسے سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے؟" (بنی اسرائیل۔ آیات 61۔ 62)۔ پھر اتنے ہی پر اس نے اکتفانہ کیا کہ کھلمن کھلا اپنے حسد کا اظہار کر دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس نے مہلت بھی مانگی کہ مجھے اپنی فضیلت اور اس کی نااہلی ثابت کرنے کا موقع دیجیے، میں اسے بہر کر آپ کو دکھادوں گا کہ کیسا ہے یہ آپ کا خلیفہ۔ اعراف، حجر اور بنی اسرائیل میں اس کا یہ چیلنج گزر چکا ہے اور آگے سورہ 'ص' میں بھی آرہا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب یہ

فرمایا کہ یہ تمہارا دشمن ہے، تو یہ محض ایک امر غیب کی اطلاع نہ تھی، بلکہ ایک ایسی چیز تھی جسے عین برسر موقع دونوں میاں بیوی اپنی آنکھوں دیکھ پکے اور اپنے کانوں سن پکے تھے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 97 ▲

اس طرح یہ بھی دونوں کو بتا دیا گیا کہ اگر اس کے بہ کانے میں آکر تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو جنت میں نہ رہ سکو گے اور وہ تمام نعمتیں تم سے چھپ جائیں گی جو تم کو یہاں حاصل ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 98 ▲

یہ تشریع ہے اس مصیبت کی جس میں جنت سے نکلنے کے بعد انسان کو مبتلا ہو جانا تھا۔ اس موقع پر جنت کی بڑی اور اکمل واصل نعمتوں کا ذکر کرنے کے بجائے اس کی چار بنیادی نعمتوں کا ذکر کیا گیا، یعنی یہ کہ یہاں تمہارے لیے غذا، پانی، لباس اور مسکن کا انتظام سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے، تم کو ان میں سے کوئی چیز بھی حاصل کرنے کے لئے محنت اور کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ اس سے خود بخود یہ بات آدم و حوا علیہما السلام پر واضح ہو گئی کہ اگر وہ شیطان کے بہ کانے میں آکر حکم سرکاری خلاف ورزی کریں گے تو جنت سے نکل کار انہیں یہاں کی بڑی نعمتیں تو در کنا، یہ بنیادی آسائشیں تک حاصل نہ رہیں گی۔ وہ اپنی بالکل ابتدائی ضروریات تک کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے اور اپنی جان کھپانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چوٹی سے ایڑی تک پسینہ جب تک نہ بہائیں گے ایک وقت کی روٹی تک نہ پاسکیں گے۔ معاش کی فکر ہی ان کی توجہ اور ان کے اوقات اور ان کی قوتوں کا اتنا بڑا حصہ کھینچ لے جائے گی کہ کسی بلند تر مقصد کے لیے کچھ کرنے کی نہ فرصت رہے گی نہ طاقت۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 99 ▲

یہاں قرآن صاف تصریح کرتا ہے کہ آدم و حوا میں سے اصل وہ شخص جس کو شیطان نے وسو سے میں ڈالا آدم علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت حوا۔ اگرچہ سورہ اعراف کے بیان کے مطابق مخاطب دونوں ہی تھے اور

بہکانے میں دونوں ہی آئے، لیکن شیطان کی وسوسہ اندازی کا رخ دراصل حضرت آدم ہی کی طرف تھا۔ اس کے برعکس بائیبل کا بیان یہ ہے کہ سانپ نے پہلے عورت سے بات کی اور پھر عورت نے اپنے شوہر کو بہکا کر درخت کا پھل اسے کھلایا (پیدائش، باب 3)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 100 ▲

سورہ اعراف میں شیطان کی گفتگو کی مزید تفصیل ہم کو یہ ملتی ہے وَ قَالَ مَا نَهِيْكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ
الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَلِدِيْنَ ○ ”اور اس نے کہا کہ تمہارے رب
نے تم کو اس درخت سے صرف اس لیے روک دیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ ، یا ہمیشہ جیتے نہ
رہو“ (آیت 20)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 101 ▲

بالفاظ دیگر نافرمانی کا صدور ہوتے ہی وہ آساٹشیں ان سے چھین لی گئیں جو سرداری انتظام سے ان کو مہیا کی
جاتی تھیں، اور اس کا اولین ظہور لباس چھن جانے کی شکل میں ہوا۔ غذا، پانی اور مسکن سے محرومی کی نوبت
تو بعد کو ہی آئی تھی، اس کا پہنچ تو بھوک پیاس لگنے پر ہی چل سکتا تھا، اور مکان سے نکالے جانے کی باری بھی
بعد ہی میں آسکتی تھی۔ مگر پہلی چیز جس پر نافرمانی کا اثر پڑا وہ سرکاری پوشکار تھی جو اسی وقت اتروالی گئی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 102 ▲

یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی۔ اللہ تعالیٰ کو وہ اپنا
خالق اور رب جانتے تھے اور دل سے مانتے تھے۔ جنت میں ان کو جو آساٹشیں حاصل تھیں ان کا تجربہ
انہیں خود ہر وقت ہو رہا تھا۔ شیطان کے حسد اور عداوت کا بھی ان کو براہ راست علم ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے
ان کو حکم دینے کے ساتھ ہی بتا دیا تھا کہ یہ تمہارا دشمن تمہیں نافرمانی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گا اور

اس کا تمہیں یہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ان کے سامنے چیلنج دے چکا تھا کہ میں اسے بہر کاؤں گا اور اس کی بخش کنی کر کے چھوڑوں گا۔ ان ساری باتوں کے باوجود جب شیطان نے ان کو ناصح مشفق اور خیر خواہ دوست کے بھیں میں آکر ایک بہتر حالت (زندگی جاوداں اور سلطنت لازوال) کا لائق دلا یا تو وہ اس کی تحریص کے مقابلے میں نہ جم سکے اور پھسل گئے، حالانکہ اب بھی خدا پر ان کے عقیدے میں فرق نہ آیا تھا اور اس کے فرمان کے بارے میں ایسا کوئی خیال ان کے ذہن میں نہیں تھا کہ وہ سرے سے واجب الاذعان ہی نہیں ہے۔ بس ایک فوری جذبے نے، جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا، ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعوت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ یہی وہ "بھول" اور "فقدان عزم" ہے جس کا ذکر قصے کے آغاز میں کیا گیا تھا، اور اسی چیز کا نتیجہ وہ نافرمانی اور بھٹک ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ انسان کی وہ کمزوری ہے جو ابتدائے آفرینش ہی میں اس سے ظاہر ہوئی، اور بعد میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے جبکہ یہ کمزوری اس میں نہ پائی گئی ہو۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 103

یعنی شیطان کی طرح راندہ درگاہ نہ کر دیا، اطاعت کی کوشش میں ناکام ہو کر جہاں وہ گر گئے تھے وہیں انہیں پڑا نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اٹھا کر پھر اپنے پاس بلا لیا اور اپنی خدمت کے لیے چن لیا۔ ایک سلوک وہ ہے جو بالارادہ بغاوت کرنے والے اور اکڑ اور ہیکڑی دکھانے والے نوکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کا مستحق شیطان تھا اور ہر وہ بندہ ہے جو ڈٹ کر اپنے رب کی نافرمانی کرے اور خم ٹھونک کر اس کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ دوسرا سلوک وہ ہے جو اس وفادار بندے کے ساتھ کیا جاتا ہے جو محض "بھول" اور "فقدان عزم" کی وجہ سے قصور کر گزرا ہو، اور پھر ہوش آتے ہی اپنے کیسے پر شرمندہ ہو جائے۔ یہ سلوک حضرت آدم و حواس سے کیا گیا، کیونکہ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ پکارا ٹھے تھے کہ **رَبَّنَا أَظْلَمْنَا آنفُسَنَا** سکنے و ان

لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِيرِينَ ۝" اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اور اگر تو ہم سے درگزرنہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ " (اعراف۔ آیت-23)۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 104

یعنی صرف معاف ہی نہ کیا، بلکہ آئندہ کے لیے راہ راست بھی بتائی اور اس پر چلنے کا طریقہ بھی سکھایا۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 105

دنیا میں تنگ زندگی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے تنگ دستی لاحق ہو گی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں اسے چین نصیب نہ ہو گا۔ کروڑ پتی بھی ہو گا تو بے چین رہے گا۔ ہفت اقلیم کا فرمانروا بھی ہو گا تو بے کلی اور بے اطمینانی سے نجات نہ پائے گا۔ اس کی دنیوی کامیابیاں ہزاروں قسم کی تدبیروں کا نتیجہ ہوں گی جن کی وجہ سے اپنے ضمیر سے لے کر گرد و پیش کے پورے اجتماعی ماحول تک ہر چیز کے ساتھ اس کی پیغم کشمکش جاری رہے گی جو اسے کبھی امن و اطمینان اور سچی مسرت سے بہرہ مند نہ ہونے دے گی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 106

اس جگہ آدم علیہ السلام کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ قصہ جس طریقے سے یہاں، اور قرآن کے دوسرے مقامات پر بیان ہوا ہے اس پر غور کرنے سے میں یہ سمجھا ہوں (واللہ اعلم بالصواب) کہ زمین کی اصل خلافت وہی تھی جو آدم علیہ السلام کو ابتداءً جنت میں دی گئی تھی۔ وہ جنت ممکن ہے کہ آسمانوں میں ہو اور ممکن ہے کہ اسی زمین پر بنائی گئی ہو۔ بہر حال وہاں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اس شان سے رکھا گیا تھا کہ اس کے کھانے پینے اور لباس و مکان کا سارا انتظام سرکار کے ذمہ تھا اور خدمت گار (فرشتے) اس کے حکم کے تابع تھے۔ اس کو اپنی ذاتی ضروریات کے لیے قطعاً کوئی فکر نہ کرنی پڑتی تھی، تاکہ وہ خلافت کے بزرگ تر اور بلند تر وظائف ادا کرنے کے لیے مستعد ہو سکے۔ مگر اس عہدے پر مستقل تقرر ہونے سے پہلے امتحان لینا

ضروری سمجھا گیا تاکہ امیدوار کی صلاحیتوں کا حال کھل جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کی کمزوریاں کیا ہیں اور خوبیاں کیا۔ چنانچہ امتحان لیا گیا اور جو بات کھلی وہ یہ تھی کہ یہ امیدوار تحریص و اطماع کے اثر میں آ کر پھسل جاتا ہے، اطاعت کے عزم پر مضبوطی سے قائم نہیں رہتا، اور اس کے علم پر نسیان غالب آ جاتا ہے۔ اس امتحان کے بعد آدم اور ان کی اولاد کو مستقل خلافت پر مامور کرنے کے بجائے آزمائشی خلافت دی گئی، اور آزمائش کے لیے ایک مدت (اجل مسمیٰ، جس اختتام قیامت پر ہو گا) مقرر کر دی گئی۔ اس آزمائش کے دور میں امیدواروں کے لیے معیشت کا سرکاری انتظام ختم کر دیا گیا۔ اب اپنی معاش کا انتظام انہیں خود کرنا ہے۔ البتہ زمین اور اس کی مخلوقات پر ان کے اختیارات برقرار ہیں۔ آزمائش اس بات کی ہے کہ اختیار رکھنے کے باوجود یہ اطاعت کرتے ہیں یا نہیں، اور اگر بھول لاحق ہوتی ہے، یا تحریص و اطماع کے اثر میں آکر پھسلتے ہیں، تو تنبیہ، تذکیر اور تعلیم کا اثر قبول کر کے سنبھلتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور ان کا آخری فیصلہ کیا ہوتا ہے، طاعت کا یا معصیت کا؟ اس آزمائشی خلافت کے دوران میں ہر ایک کے طرز عمل کا ریکارڈ محفوظ رہے گا۔ اور یوم الحساب میں جو لوگ کامیاب نکلیں گے انہی کو پھر مستقل خلافت، اس دامنی زندگی اور لازوال سلطنت کے ساتھ جس کالا لج دے کر شیطان نے حکم کی خلاف ورزی کرائی تھی، عطا کی جائے گی۔ اس وقت یہ پوری زمین جنت بنادی جائے گی اور اس کے وارث خدا کے وہ صالح بندے ہوں گے جنہوں نے آزمائشی خلافت میں اطاعت پر قائم رہ کر، یا بھول لاحق ہونے کے بعد بالآخر اطاعت کی طرف پلٹ کر اپنی اہلیت ثابت کر دی ہو گی۔ جنت کی اس زندگی کو جو لوگ محض کھانے پینے اور اینڈنے کی زندگی سمجھتے ہیں ان کا خیال صحیح نہیں ہے۔ وہاں پہم ترقی ہو گی بغیر اس کے کہ اس کے لیے کسی تنزل کا خطرہ ہو۔ اور وہاں خلافت اللہ کے عظیم الشان کام انسان انجام دے گا بغیر اس کے کہ اسے پھر کسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ مگر ان ترقیات اور ان خدمات کا تصور کرنا ہمارے لیے اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک بچے کے لیے یہ

تصور کرنا مشکل ہوتا ہے کہ بڑا ہو کر جب وہ شادی کرے گا تو ازدواجی زندگی کی کیفیات کیا ہوں گی اسی لیے قرآن میں جنت کی زندگی کے صرف انہی لذائذ کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ہم اس دنیا کی لذتوں پر قیاس کر کے کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ آدم و حوا کا قصہ جس طرح بائبل میں بیان ہوا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔ بائبل کا بیان ہے کہ "خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے درختوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔ اور خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور انسان کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا۔" اور باغ کے بیچ میں حیات کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا۔" اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا۔ کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا۔" اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنایا کہ اسے آدم کے پاس لا یا۔" اور آدم اور اس کی بیوی دونوں نے تھے اور شرماتے نہ تھے۔" اور "سانپ کل دشتم جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا، چالاک تھا، اور اس نے عورت سے کہا کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا؟"؟" سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہر گز نہ مر و گے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔" چنانچہ عورت نے اس کا پھل لے کر کھایا اور اپنے شوہر کو بھی کھلایا۔" تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ نہ ہیں اور انہوں نے انجر کے پتوں کو سی کراپنے لیے لنگیاں بنائیں۔ اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز، جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا، سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے اپنے آپ کو خداوند خدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔" پھر خدا نے آدم کو پکارا کہ تو کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ میں

تیری آواز سن کر ڈرا اور چھپ گیا کیونکہ میں ننگا تھا۔ خدا نے کہا ارے، تجھ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ تو ننگا ہے۔ ضرور تو نے اس درخت کا پھل کھایا ہو گا جس سے میں نے منع کیا تھا۔ آدم نے کہا کہ مجھے حوانے اس کا پھل کھلایا، اور حوانے کہا مجھے سانپ نے بہ کیا تھا۔ اس پر خدا نے سانپ سے کہا "اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپا یوں اور دشیتی جانوروں میں ملعون ٹھہر۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک چالے گا اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عدالت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔" اور عورت کو یہ سزادی کہ "میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" اور آدم کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا کہ چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور میرے حکم کے خلاف کیا" اس لیے زمین تیرے سب سے لعنی ہوئی، مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار واسطے چھڑے کے کرتے بنائ کران کو پہنانے۔" اور خداوند خدا نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے۔ اس لیے خداوند خدا نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا" (پیدائش، باب 2۔ آیات 7-25۔ باب 3۔ آیات 1-23)۔

بانیبل کے اس بیان اور قرآن کے بیان کو ذرا وہ لوگ بال مقابل رکھ کر دیکھیں جو یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ قرآن میں یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 107 ▲

قیامت کے روز نئی زندگی کے آغاز سے لے کر جہنم میں داخل ہونے تک جو مختلف کیفیات مجرمین پر گزریں گی ان کو قرآن مجید میں مختلف موقع پر جدا جدابیان کیا گیا ہے۔ ایک کیفیت یہ ہے **لَقَدْ كُنْتَ فِي**

غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غُطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ "تو اس چیز سے غفلت

میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تیرے آگے سے پردہ ہٹا دیا ہے، آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔" یعنی تجھے خوب نظر آ رہا ہے۔ (ق۔ آیت 22)۔ دوسری کیفیت یہ ہے **إِنَّمَا يُؤْخِرُهُمُ الْيَوْمَ تَشْخُصُ فِيهِ**

الْأَبْصَارُ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِينَ رُءُوسِهِمْ لَا يَرَوْنَ إِلَيْهِمْ طَرْفَهُمْ وَأَفْدَتُهُمْ هَوَاءُ ۝ "اللہ تو

انہیں ٹال رہا ہے اس دن کے لیے جب حال یہ ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں، سراٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں، نظریں اوپر جمی ہیں اور دل ہیں کہ اڑے جاتے ہیں" (ابراہیم۔ آیت 43)۔ تیسرا

کیفیت یہ ہے **وَخُرِجْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَبًا يَلْقَمُهُ مَنْشُورًا** ۝ **إِقْرَا كِتَبَكَ طَكْفِي**

بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ "اور قیامت کے روز ہم اس کے لیے ایک نوشته نکالیں گے جسے

وہ کھلی کتاب پائے گا۔ پڑھ اپنانامہ اعمال، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے" (بنی اسرائیل۔

آیات 13-14)۔ انہی کیفیات میں سے ایک یہ بھی ہے جو آیت زیر بحث میں بیان ہوئی ہے۔ معلوم ایسا

ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت سے یہ لوگ آخرت کے ہولناک مناظر اور اپنی شامت اعمال کے نتائج کو تو

خوب دیکھیں گے، لیکن بس ان کی پیشائی یہی کچھ دیکھنے کے لیے ہو گی۔ باقی دوسری حیثیتوں سے انکا حال

اندھے کا سا ہو گا جسے اپنا راستہ نظر نہ آتا ہو، جونہ لاٹھی رکھتا ہو کہ ٹھوٹ کر چل سکے نہ کوئی اس کا ہاتھ کپڑا

کے چلانے والا ہو، قدم قدم پر ٹھوکریں کھارہا ہو، اور اس کو کچھ نہ سوچتا ہو کہ کدھر جائے اور اپنی

ضروریات کہاں سے پوری کرے۔ اسی کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ "جس طرح تو نے ہماری آیات کو بھلا دیا تھا اسی طرح آج تو بھلا دیا جا رہا ہے" یعنی آج کوئی پروانہ کی جائے گی کہ تو کہاں کہاں ٹھوکریں کھا کر گرتا ہے اور کیسی کیسی محرومیاں برداشت کر رہا ہے۔ کوئی تیرا ہاتھ نہ پکڑے گا، کوئی تیری حاجتیں پوری نہ کرے گا، اور تیری کچھ بھی خبر گیری نہ کی جائے گی۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 108

اشارہ ہے اس "تلگ زندگی" کی طرف جو اللہ کے "ذکر" یعنی اس کی کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے درس نصیحت سے منہ موڑنے والوں کو دنیا میں بسر کرائی جاتی ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 109

اشارہ ہے اہل مکہ کی طرف جو اس وقت مخاطب تھے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 110

یعنی تاریخ کے اس سبق میں، آثار قدیمہ کے اس مشاہدے میں، نسل انسانی کے اس تجربے میں۔

٨٦ رکو

وَلَوْلَا كِلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ تَكَانَ لِنَارًا مَا وَأَجَلٌ مُسَمٌ^{١٣٩} فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ
 بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ أَنَاءِ اللَّيلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ
 لَعَلَّكَ تَرْضَى^{١٤٠} وَلَا تَمْدَنَ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ
 الدُّنْيَا لِنَفْتَنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ حَيْرٌ وَآبْقَى^{١٤١} وَأُمْرُ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ
 عَلَيْهَا لَا نَسْئِلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلَّتَّقُوْيِ^{١٤٢} وَقَالُوا لَوْلَا يَا تِينَا بِأَيَّةِ
 مِنْ رَبِّهِ أَوْلَمْ تَأْتِهِمْ بِيَنَةً مَا فِي الصُّحْفِ الْأُولَى^{١٤٣} وَلَوْا نَآ أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ
 قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعْ أَيْتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذَلَّ وَنَخْزِي^{١٤٤}
 قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنْ اهْتَدَى^{١٤٥}

دکو٦ ۸

اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت کی ایک مدت مقرر نہ کی جا چکی ہوتی تو ضرور ان کا بھی فیصلہ چکا دیا جاتا۔ پس اے محمد ﷺ، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد و شناکے ساتھ اُس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی، [111](#) شاید کہ تم راضی ہو جاؤ۔ [112](#) اور زگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اُس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے اُنہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے، اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال [113](#) ہی بہتر اور پاسندہ تر ہے۔ اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو [114](#) اور خود بھی اُس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں۔ اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کے لیے ہے۔

[115](#)

وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی [﴿مجزہ﴾](#) کیوں نہیں لاتا؟ اور کیا ان کے پاس اگلے صحیفوں کی تمام تعلیمات کا بیان واضح نہیں آگیا؟ [116](#) اگر ہم اس کے آنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو پھر یہی لوگ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار، تُونے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ذلیل و رُسوہ ہونے سے پہلے ہی ہم تیری آیات کی پیروی اختیار کر لیتے۔ اے محمد ﷺ، ان سے کہو، ہر ایک انجام کار کے انتظار میں ہے، [117](#) پس اب منتظر رہو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھی راہ چلنے والے ہیں اور کون ہدایت یافتے ہیں۔ [۶۴](#)

سورة طہ حاشیہ نمبر: 111 ▲

یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ابھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا، اور ان کے لیے مهلت کی ایک مدت مقرر کر چکا ہے، اس لیے اس کی دی ہوئی اس مهلت کے دوران میں یہ جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کریں اس کو تمہیں برداشت کرنا ہو گا اور صبر کے ساتھ ان کی تمام تلخ و ترش باتیں سنتے ہوئے اپنا فریضہ تبلیغ و تذکیر انجماد دینا پڑے گا۔ اس تحمل و برداشت اور اس صبر کی طاقت تمہیں نماز سے ملے گی جس کو تمہیں ان اوقات میں پابندی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

"رب کی حمد و شنا کے ساتھ اس کی تسبیح" کرنے سے مراد نماز ہے، جیسا کہ آگے چل کر خود فرمادیا **وَأُمْرُ**
آهَلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ^ط اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔"

نماز کے اوقات کی طرف یہاں بھی صاف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز۔ سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز۔ اور رات کے اوقات میں عشا اور تہجد کی نماز۔ رہے دن کے کنارے، تو وہ تین ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک کنارہ صبح ہے، دوسرا کنارہ زوال آفتاب، اور تیسرا کنارہ شام۔ لہذا دن کے کناروں سے مراد فجر، ظہر اور مغرب کی نماز ہی ہو سکتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم۔ ہود، حاشیہ 113۔ بنی اسرائیل، حاشیہ 91 تا 97، جلد سوم، الروم حاشیہ 24۔ جلد چہارم، المومن۔ حاشیہ 74۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 112 ▲

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور غالباً دونوں ہی مراد بھی ہیں۔ ایک یہ کہ تم اپنی موجودہ حالت پر راضی ہو جاؤ جس میں اپنے مشن کی خاطر تمہیں طرح طرح کی ناگوار باتیں سہنی پڑ رہی ہیں، اور اللہ کے اس فیصلے پر

راضی ہو جاؤ کہ تم پر نا حق ظلم اور زیادتیاں کرنے والوں کو بھی سزا نہیں دی جائے گی، وہ داعی حق کو ستاتے بھی رہیں گے اور زمین میں دندناتے بھی پھریں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم ذرا یہ کام کر کے تو دیکھو، اس کا نتیجہ وہ کچھ سامنے آئے گا جس سے تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔ یہ دوسرا مطلب قرآن میں متعدد مقامات پر مختلف طریقوں سے ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں نماز کا حکم دینے کے بعد فرمایا

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ▶ "توقع ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر پہنچا دے گا"

آیت 79۔ اور سورہ ضحیٰ میں فرمایا وَ لَلَا خِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى طَوَّ لَسْوَفَ يُعْطِيَكَ رَبُّكَ فَتَرْضِي طُ ▶" تمہارے لیے بعد کا دور یقیناً پہلے دور سے بہتر ہے، اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا کچھ دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے"۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 113

رزق کا ترجمہ ہم نے "رزق حلال" کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی حرام مال کو "رزق رب" سے تعبیر نہیں فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارا اور تمہارے ساتھی اہل ایمان کا یہ کام نہیں ہے کہ یہ فساق و فجیار ناجائز طریقوں سے دولت سمیٹ سمیٹ کر اپنی زندگی میں جو ظاہر چمک دمک پیدا کر لیتے ہیں، اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھو۔ یہ دولت اور یہ شان و شوکت تمہارے لیے ہرگز قابل رشک نہیں ہے۔ جو پاک رزق تم اپنی محنت سے کماتے ہو وہ خواہ کتنا ہی تھوڑا ہو، راستباز اور ایماندار آدمیوں کے لیے وہی بہتر ہے اور اسی میں وہ بھلائی ہے جو دنیا سے آخرت تک برقرار رہنے والی ہے۔

سورة طہ حاشیہ نمبر: 114

یعنی تمہارے بال پچے بھی اپنی تنگ دستی و خستہ حالی کے مقابلہ میں ان حرام خوروں کے عیش و عشرت کو دیکھ کر دل شکستہ نہ ہوں۔ ان کو تلقین کرو کہ نماز پڑھیں۔ یہ چیزان کے زاویہ نظر کو بدل دے گی۔ ان

کے معیار قدر کو بدل دے گی۔ ان کی توجہات کا مرکز بدل دے گی۔ وہ پاک رزق پر صابر و قانع ہو جائیں گے اور اس بھلائی کو جو ایمان و تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اس عیش پر ترجیح دینے لگیں گے جو فسق و فجور اور دنیا پرستی سے حاصل ہوتا ہے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 115

یعنی ہم نماز پڑھنے کے لیے تم سے اس لیے نہیں کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا کوئی فائدہ ہے۔ فائدہ تمہارا اپنا ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو گا جو دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آخری اور مستقل کامیابی کا وسیلہ ہے۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 116

یعنی کیا یہ کوئی کم معجزہ ہے کہ انہی میں سے ایک امی شخص نے وہ کتاب پیش کی ہے جس میں شروع سے اب تک کی تمام کتب آسمانی کے مضامین اور تعلیمات کا عطر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان کتابوں میں جو کچھ تھا، وہ سب نہ صرف یہ کہ اس میں جمع کر دیا گیا، بلکہ اس کو ایسا کھول کر واضح بھی کر دیا گیا کہ صحر نشین بدّ و تک اس کو سمجھ کر فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

▲ سورۃ طہ حاشیہ نمبر: 117

یعنی جب سے یہ دعوت تمہارے شہر میں اٹھی ہے، نہ صرف اس شہر کا بلکہ گرد و پیش کے علاقے کا بھی ہر شخص انتظار کر رہا ہے کہ اس کا انجام آخر کار کیا ہوتا ہے۔